"وہ شخص مومن نہیں جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور جس کے برابر میں رہنے والا اس کا پڑوسی فاقے سے ہو۔" (بیہقی فی شعب الایمان)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna,
S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (قرآن)

سہ روزہ دعوت نئی دہلی

www.dawatonline.com

آفتاب نبوت کی سنہری شعاعیں
سیرت سرور عالم کے درخشاں پہلو
رسول اکرم کی بابرکت سیرت سے نمائندہ واقعات کا حسین وجمیل انتخاب، حرف حرف محسن انسانیت اور رحمۃ للعالمین کی محبت سے لبریز، واقعات سیرت کے انمول موتی
صفحات 400 ☆ قیمت -/160
Maktaba Al-Faheem مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی
1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road Sadar Chowk Maunath Bhanjan (U.P.) 275101
Ph: 0547-2222013 (S) Mob.9889123129/9236761926

Posting: 2 May 2009 Saturday ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ ریال ● قیمت Rs.5/= ● ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ ● دوشنبہ ● 4 May 2009 ● ۴ رمئی ۲۰۰۹ء ● شمارہ: ۴۱ ● جلد: ۵۷ ●

اقتدار کے ان سو دنوں نے پالیسی کے خدوخال واضح کر دیے ہیں

بارک حسین اوبامہ کے اقتدار کے سو دن گزشتہ بدھ یعنی ۲۹ راپریل کو پورے ہوگئے۔ واضح رہے کہ انہوں نے گزشتہ ۲۰ رجنوری کو امریکہ کے ۴۴ ویں صدر کا عہدہ سنبھالا تھا، یہ ایک اہم تاریخی واقعہ تھا۔ اہم یوں کہ اس دن انہوں نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر کا عہدہ سنبھالا تھا جو آج کی دنیا کی واحد سپر طاقت اور عالمی لیڈر کا درجہ بھی اسے ملا ہوا ہے۔ جس کی طاقت ناقابل تسخیر سمجھی جاتی ہے اور یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ جس کو چیلنج کرنے والی کوئی طاقت اس وقت نہیں پائی جاتی، اس بنا پر وہ پوری دنیا پر اپنا حکم چلا رہا ہے، یہ واقعہ تاریخی اس بنا پر تھا کہ وہ امریکہ کے پہلے سیاہ فام صدر بنے، سو دن کی اہمیت یوں ہے کہ انہوں نے اپنی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ اپنے اقتدار کے ابتدائی سو دن کے اندر امریکی باشندوں کو بالخصوص اور اہل دنیا کو بالعموم وتفصیل سے یہ بتادیں گے کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی وہ اپنی داخلہ وخارجہ پالیسی کے نقوش واضح کر دیں گے اور صاف لفظوں میں یہ بتادیں گے کہ وہ امریکہ کی کیا تصویر بنانا چاہتے ہیں۔ اقوام متحدہ میں وہ اسے کس مقام اور درجے پر دیکھنا اور پہنچانا چاہتے ہیں، عالمی لیڈر ہونے کے ناطے امریکہ پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر کیا ہے اور ان کے بارے میں وہ کیا پروگرام رکھتے ہیں۔ امریکہ کا صدر ہونے کی وجہ سے یوں بھی پوری دنیا کی توجہ ان پر مرکوز تھی اور انہوں نے اپنی گفتگوؤں اور تقریروں سے بھی ایسا بھرم پیدا کر دیا تھا کہ دنیا ان کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھنے لگی تھی انہوں نے گزشتہ نومبر سے ہی یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان کا دور حکومت ان کے پیش رو یعنی صدر بش کے دور حکومت سے مختلف ہوگا۔

اس وجہ سے ان کی آمد پر ہر چہار جانب خوشی کا اظہار کیا گیا کیونکہ انہوں نے تبدیلی کا پیغام دیا تھا اور دنیا تبدیلی چاہتی تھی۔ صدر بش ذاتی طور پر اور ان کا دور حکومت مجموعی طور پر کس قدر نامقبول ہوگیا تھا اس کا اظہار منتظر زیدی کا وہ عمل جو بغداد میں ظاہر ہوا۔ اس کی وجہ سے امریکہ بھی پوری دنیا کی نظروں سے گر چکا تھا، امریکی بالخصوص اور پوری دنیا کے لوگ بالعموم صدر بش سے تنگ آچکے تھے۔

صدر بش مفاہمت پر یقین نہیں رکھتے تھے، افہام وتفہیم کے لئے ان کے ہاں کوئی جگہ نہیں تھی یہی وجہ ہے کہ وہ خوفناک ہوگئے تھے اور ان کی پارٹی جارحانہ پالیسی بن گئی تھی، وہ حکم چلانا اور منوانا جانتے تھے۔ انہوں نے اپنے طرز فکر اور طرز عمل سے دوست کم بنائے دشمن زیادہ پیدا کئے۔ ان کے آٹھ سالہ دور حکومت نے پوری دنیا میں امریکہ کے بارے میں یہ تصور پیدا کیا کہ اسے دوسروں کی مرضی اور خواہشات کی چنداں پروا نہیں ہے۔ اسے اگر مطلب ہے تو اپنی مرضی دوسروں پر مسلط کرنے سے ہے۔ اس کی نزدیک ایک ایک امریکی کی جان کی قیمت ہے۔ غیر امریکیوں کی جانوں کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ صدر اوبامہ نے یہ پیغام دیا کہ ان کے دور میں اس روش پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے ترک کر دیا جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ امریکہ تنہا چلنے کی پالیسی چھوڑ دے گا۔ وہ افہام وتفہیم کے ذریعہ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرے گا یعنی ان کے دور میں Engagement کی پالیسی پر عمل کیا جائے گا۔ انہوں نے بار بار یہ کہا کہ امریکہ تنہا کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا اس لئے کرنا بھی نہیں چاہتا۔ یہ ذمہ داری عالمی برادری کی ہے لہٰذا ہر پروگرام مل جل کر بنایا جائے اور اس کا بوجھ کسی ایک پر نہ پڑے بلکہ ہر کوئی برداشت کرے۔ یہ کمزوری کی علامت بھی ہو سکتی ہے اور ایک حقیقت پسندانہ رویہ بھی ہو سکتا ہے، امریکہ کے موجودہ حالات سے دونوں نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے دوسری اہم بات یہ کہی اور اس پر کافی زور دیا کہ وہ یعنی امریکہ اپنا فیصلہ سنانے میں جلدی نہیں کرے گا، اور نہ کوئی نتیجہ اخذ کرنے میں جلد بازی سے کام لے گا بلکہ وہ پہلے حالات کا گہرائی سے جائزہ لے گا۔ دوسروں کا نقطۂ نظر بھی معلوم کرے گا اور ان کو اہمیت دے گا۔ اگر ان میں وزن محسوس ہوا تو اس کو قبول بھی کرے گا۔ اپنا نقطۂ نظر بھی دوسروں پر واضح کرے گا۔ اس میں معقولیت پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ دوسروں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرے گا اپنا نقطۂ نظر دوسروں پر مسلط کرنے کا ہرگز کوشش نہیں کرے گا۔ امریکہ پہلے سے دوست دشمن کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ وہ اپنے مخالفین کے ساتھ بھی چلنے کی عادت ڈالے گا، امریکہ مفاہمت (ڈپلومیسی سفارتکاری) اور طاقت دونوں طریقوں کو بروئے کار لائے گا تاہم مفاہمت کے طریقہ کو ترجیح دی جائے گی طاقت کا راستہ تو انتہائی ناگزیر حالات میں اختیار کیا جائے گا۔

ان سو دنوں کے اندر انہوں نے جو اہم تقاریر کیں ان میں پہلی تقریر تو حلف برداری کے موقع پر کی گئی تھی، جو ایک بنیادی پالیسی بیانات تھا۔ پھر انہوں نے جی ۲۰ کے سربراہ اجلاس میں دوسری اہم تقریر کی۔ یہ اجلاس لندن میں ہوا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ناٹو کے سربراہ اجلاس میں ایک تقریر کی وہ بھی اہم عالمی مسائل کے سلسلہ میں اوبامہ انتظامیہ کی پالیسی کو واضح کرنے والا بیان تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ترک پارلیمنٹ سے خطاب کے دوران ایک پالیسی بیان دیا جس سے مسلم دنیا کے تئیں ان کی حکومت کے رُخ اور رویے کے نقوش واضح ہوتے ہیں۔ یہ ان کا پہلا غیر ملکی دورہ تھا۔ جس میں وہ برطانیہ، فرانس، چیک جمہوریہ جرمن اور ترکی گئے، کچھ وقفے کے بعد ایک بار پھر غیر ملکی دورے پر نکلے، اس بار ان کا رُخ براعظم امریکہ کے مختلف ملکوں کی طرف تھا۔ پہلے وہ میکسیکو گئے جو امریکہ سے ملحق ہے۔ اس کے امریکہ کے ساتھ "دیرینہ" تعلقات ہیں۔ دونوں کے درمیان باہم اختلافات بھی پائے جاتے ہیں، میکسیکو کے بعد وہ ٹری نیڈاڈ گئے۔ جہاں وہ براعظم امریکہ کے ملکوں کے سربراہ اجلاس میں شریک ہوئے۔ یوں انہوں نے پہلے یورپ اور بعد ازاں خود براعظم امریکہ کے ملکوں کے ساتھ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے رشتوں کو ایک سمت دینے کی کوشش کی۔ اس دوران انہوں نے جو قدم اٹھائے ان کا تعلق دہشت گردی کے مسئلہ، عالمی مالیاتی بحران، مشرق وسطیٰ، عراق اور تخفیف اسلحہ سے تھا، دہشت گردی کے خاتمے کے سلسلہ میں انہوں نے یہ اعلان کیا کہ ان کی حکومت اب عراق کی بجائے افغانستان پر توجہ دے گی کیونکہ اس کے خیال میں اب جنوبی ایشیا زیادہ خطرناک خطہ بن گیا ہے۔ انہوں نے ایک نئی افغان-پاک پالیسی کا بھی اعلان کیا، جس میں ہندوستان کو بھی جگہ دی گئی ہے، مشرق وسطیٰ اور افغان کے لئے خصوصی ایلچیوں کا تقرر کر کے گویا یہ بتانے کی کوشش کی کہ وہ ان دونوں خطوں کے مسائل کو حل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تخفیف اسلحہ کے سلسلہ میں انہوں نے ایک پالیسی بیان دیا۔ جس میں اس ڈاکٹرن کو دہرایا جس پر امریکہ برسوں سے گامزن چلا آ رہا ہے البتہ ایران اور کیوبا کے لئے کچھ رعایتوں کا اعلان بھی کیا، مگر شمالی کوریا کے بارے میں امریکہ کی پالیسی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ مالیاتی بحران کے سلسلہ میں امریکہ نے جو پالیسی اختیار کی ہے یورپ کو اس پر اس لئے اعتراض ہے کیونکہ اس کے خیال میں اس سے Protectionism کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ یہ دوسرے معنی میں سرمایہ دارانہ فلسفہ کی کھلی ہوئی ناکامی ہے۔ اب اوبامہ انتظامیہ کے نقش ونگار واضح ہو چکے ہیں۔ اب وہ اس میں رنگ بھرنے کا کام کرے گی۔ اس بنیاد پر اس کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے گا۔

(ش ر)

خبر ونظر

جب خبر سورت پہنچی

گجرات کے شہر سورت کا واقعہ ہے۔ ۲۷ راپریل کو جب وہاں یہ خبر پہنچی کہ ۲۰۰۲ء میں گودھرا ٹرین کے واقعہ کے بعد ہونے والے مسلم کش فسادات میں وزیر اعلیٰ مودی اور کچھ دوسرے وزیر اور سرکاری افسروں کے رول کی انکوائری کی جائے گی تو خبر سن کر مرحوم احسان جعفری کی بیوہ ذکیہ جعفری نے قرآن کریم ہاتھ میں لے لیا، اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا "ہم اللہ کی ذات پر ایمان رکھتے ہیں، ہمیں سپریم کورٹ اور ایس آئی ٹی پر اعتماد ہے، ہمیں انصاف ضرور ملے گا اور تمام ظالم اپنے انجام کو پہنچیں گے۔" انڈین ایکسپریس (۲۸ راپریل) کے مطابق محترمہ جعفری نے فساد کے دردناک مناظر کو یاد کرتے ہوئے نہایت کربناک لہجے میں بتایا کہ "وہ دن میں کبھی نہیں بھولوں گی جب میری نظروں کے سامنے معصوم لوگوں کو مار ڈالا گیا، میرے شوہر کو گھر سے باہر گھسیٹ کر سڑک پر تلوار اور چاقو سے مارا، ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔" کانگریس کے رہنما اور سابق ایم پی احسان جعفری اپنے خاندان کے ساتھ احمد آباد کی گلمرگ سوسائٹی کالونی میں رہتے تھے۔ ۲۸ رفروری کے جس واقعہ کا ذکر محترمہ جعفری کر رہی تھیں وہ وہیں پیش آیا تھا جس میں ۹۳ رافراد شہید کیے گئے تھے۔ عدالت عظمیٰ نے ایس آئی ٹی کی تفتیش کا حکم محترمہ جعفری کی درخواست پر ہی دیا ہے۔

ان کی ایمانی کیفیت

خصوصی تفتیشی ٹیم (ایس آئی ٹی) کے طرز تفتیش اور اس کے نتائج کے بارے میں تو ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ظالموں کے کیفر کردار کو پہنچنے کا وقت آگیا ہے یا قدرت انہیں ابھی کچھ اور مہلت دینا چاہتی ہے۔ البتہ یہاں اس ایمانی کیفیت کا ذکر مقصود ہے جو گجرات کے مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ طوفان سر سے گزر گیا۔ حالات آج بھی سخت ہیں لیکن ان کا جذبۂ ایمانی متاثر نہیں ہوا۔ اس حقیقت سے پوری دنیا واقف ہے کہ گجرات کے مسلمانوں پر یہ تباہی ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے لائی گئی تھی۔ مسلمان یعنی اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان رکھنے والے —— حالانکہ ملک کے دیگر حصوں کی طرح گجرات کے مسلمان بھی کوئی مثالی مسلمان نہیں ہیں۔ ان میں ہر طرح کے لوگ ہیں۔ لیکن ۲۰۰۲ء میں جب وہ قتل وغارت گری کا سامنا کر رہے تھے، کسی مقام سے خبر نہیں آئی کہ وہاں کے مسلمانوں نے اجتماعی طور پر دین وایمان سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جان اور عزت وآبرو بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگے ضرور، لیکن خدا اور رسولؐ سے رشتہ نہیں توڑا۔ ہوسکتا ہے بعض مقامات پر بعض مسلمانوں نے انفرادی طور پر مصلحت سے کام لیا ہو لیکن بحیثیت مجموعی ریاست کے مسلمان دین وقرآن پر قائم رہے، قائم ہیں اور قائم رہیں گے ان شاء اللہ۔ مصائب میں بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں، امید افزا خبریں سن کر بھی اسی کا نام لیتے ہیں۔

یہ ملک گیر صورت ہے

اور گجرات کے مسلمانوں کا یہ کردار ملک کے تمام مسلمانوں کے مزاج وکردار کا غماز ہے۔ مسلمانوں کو ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ہراساں کیے جانے کا یہ سلسلہ ویسے تو بہت قدیم ہے لیکن "آزادی" کے بعد منصوبہ بند طریقے سے جاری ہے۔ ہزاروں مسلم کش فسادات اس پر گواہ ہیں۔ گاؤں کے گاؤں اجڑ چکے ہیں۔ خوشحال آبادیوں کو بطور خاص ہدف بنایا جاتا رہا ہے، اس کے علاوہ اعلیٰ سطح پر مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان کمزور کرنے کے لیے بڑے بڑے نفسیاتی حربے استعمال کیے گئے۔ مسلمانوں کے اندر اپنے دین کے سلسلے میں احساس کمتری پیدا کرنے اور اسلام سے ان کا جذباتی رشتہ توڑنے کی غرض سے ہر ہتھکنڈا استعمال کیا گیا۔ اسکولی نصاب کے ذریعے غیر مسلم بچوں کے ذہنوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر گھولنے اور خود مسلم بچوں کے عقائد بگاڑنے کی منظم کوششیں ساٹھ سال سے جاری ہیں۔ مسلمانوں کو مستقلاً خوف اور غیر یقینی کی حالت میں رکھنے کے لیے سیاسی اقدامات بھی کیے جاتے رہے۔ یہ صورت حال ایسی تھی کہ کوئی اور مذہبی فرقہ ہوتا تو پست حوصلہ ہو کر فنا ہو گیا ہوتا لیکن ۔ کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری —— اور وہ بات بس ایمان کی بات ہے۔ اللہ اس ایمان کو مزید پختہ کرے اور اس کے تمام تقاضے پورے کرنے کی پوری ملت اسلامیہ ہند کو توفیق بخشے۔ (پ ر)

یہ ایک مثبت قدم ہے

جمہوری نظام کے انتخابی عمل میں اکثریت کی بنیاد پر منتخب نمائندوں کے لئے اگر اقتدار ضروری ہے تو اقلیت اور کمزور طبقوں کو سمیت تمام شہریوں کی حفاظت انصاف کے لئے قانون کی حکمرانی لازمی ہے۔ اگر اقتدار اور قانون کی حکمرانی میں عدم توازن پیدا ہوجائے تو جمہوریت تاناشاہی اور غنڈہ راج میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ اس کا مشاہدہ ویسے تو عام طور پر ہر کہیں اور اکثر بیشتر ہوتا رہتا ہے۔ وہ اس لئے بھی کہ اس وقت ملک کے جمہوری نظام میں فرقہ پرستوں کی دراندازی کچھ زیادہ ہی ہوتی جارہی ہے۔ چند ماہ قبل جنوبی ریاستوں میں چلنے والی عیسائی مخالف پر تشدد لہر، اس سے چند برس پہلے گجرات کے منصوبہ بند فسادات اور قتل وغارت گری اور ۱۹۸۴ء کے سکھ مخالف خونریزی کے واقعات اس کے بڑے مظہر ہیں۔

اس کے باوجود عدالتوں کی طرف سے ایسے فیصلے بھی آتے رہے ہیں جن کا جمہوریت کی بقا اور قانون کی حکمرانی کے تئیں عام آدمی کے اعتماد کی بحالی میں اہم کردار ہوتا ہے۔ گجرات فسادات کے سلسلے میں سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ بھی اس سے تعلق رکھتا ہے۔ گجرات فسادات میں ریاستی حکومت اور انتظامیہ کی شمولیت کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جمہوریت پسند اور انصاف دوستوں کی طرف سے بہت کچھ لکھا اور کہا جاتا رہا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی خواہ سیاسی طور پر وہ کٹہرے میں کیوں نہ کھڑے کئے جاتے رہے ہوں لیکن قانونی طور پر وہ کسی بھی گرفت سے ہمیشہ آزاد ہی رہے ہیں۔ اس کے برخلاف انہیں اعزازات اور ستائش سے نوازا جاتا رہا ہے اور اب تو ان کی پارٹی کا ایک حلقہ انہیں مستقبل کا وزیر اعظم بھی سمجھنے لگا ہے۔ بی جے پی میں وزارت عظمیٰ کے لئے لال کرشن آڈوانی کے بعد اس وقت اگر کوئی پارٹی لیڈران کی زبان پر ہے تو وہ نریندر مودی ہی ہیں۔

بی جے پی کی تاریخ میں کسی وقت اس طرح کی مقبولیت کلیان سنگھ کو حاصل تھی۔ کلیان سنگھ کا اہم کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے جمہوریت کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے اور اقلیت مخالف پارٹی اور سنگھ پالیسی کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنی خدمات کا فی الفور صلہ پانے کی خواہش نے انہیں کنارے لگادیا اور اب وہ اپنی محرومیوں کو سیکولرزم کے لبادے میں پیش کر کے اپنے وجود کی بقاء کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔

نریندر مودی اور ان جیسے لیڈران صرف اس لئے بھی قانونی کارروائی سے بچ جاتے ہیں اور کھل کر اپنا کھیل جاری رکھتے ہیں کہ قانون وانتظامیہ کمزور ہے۔ قانون وانتظامیہ کی یہ کمزوری ہی ان لیڈران کی طاقت ہے۔ لیکن سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور ظلم وزیادتی کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ اگر انتظامیہ اور ہائی کورٹ سمیت مختلف عدالتوں سے مایوس

باقی صفحہ ۶ پر

اپنے مفادات کی حفاظت خود ہی کرنی پڑتی ہے

کسی مسئلہ کو زندہ رکھنے کے لئے ۲۵ رسال کم نہیں ہوتے لیکن بھارت کے سکھ اس سلسلہ میں کامیاب رہے ہیں۔ انہوں نے ۱۹۸۴ء میں اپنے لوگوں کے قتل عام میں ملوث کچھ لوگوں کے سلسلے میں کانگریس کو ربع صدی کے بعد اپنے پیروں پر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ ہندی روزنامہ دینک جاگرن کے ایک سینئر رپورٹر جرنیل سنگھ نے تو ملک کے وزیر داخلہ پی چدمبرم کے اوپر ایک پریس کانفرنس میں جوتا پھینک دیا۔ سکھوں کی تعداد ملک بھر میں آٹے میں نمک کے برابر ہی ہے لیکن انہوں نے اپنی لڑائی اب تک تقریباً تنہا خود ہی لڑی ہے۔ نہ کسی سیکولرسٹ سے مدد کی بھیک مانگی ہے اور نہ ہی کمیونسٹ سے تاہم حیرت انگیز طور پر بھارتیہ جنتا پارٹی اور دہلی کے کچھ پنجابی صحافیوں اور سوشل ایکٹی وسٹوں نے ان کا ساتھ ضرور دیا ہے۔

۳۱ راکتوبر ۱۹۸۴ء کو اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی کے اپنے سکھ سیکیورٹی گارڈوں کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد تین دن تک دہلی میں آگ اور خون کا کھیل جاری رہا۔ دہلی اور دوسرے مقامات کو آتے جاتے بہت سے سکھوں کو جنونی ہندوؤں کی بھیڑوں نے ٹرینوں سے کھینچ کر باہر پھینک دیا۔ کانپور بوکارو اور دوسرے شہروں میں مقامی آبادی نے ان کو نشانہ بنایا۔ تاہم تقریباً دو دہائیوں بعد حکومت سے اسپیشل معاوضہ پیکج حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور اب ۲۵ ویں سال میں انہوں نے کانگریس پارٹی کو جگدیش ٹائٹلر اور سجن کمار کو لوک سبھا الیکشن کے امیدواروں کی فہرست سے خارج کرنے پر مجبور کر دیا۔ جہاں سکھ آج بھی ۶ جون ۱۹۸۴ء کو بھارتی فوج کے ذریعہ گولڈن ٹمپل میں بلیو اسٹار آپریشن کے دوران کے قتل عام کے ہولناک ایام کو یاد رکھے ہوئے ہیں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ۱۷ رسال میں ہی اس حقیقت کو فراموش کر چکی ہے کہ این ڈی اے کے وزیر اعظم کے عہدہ کے امیدوار لال کرشن آڈوانی کی سربراہی میں سنگھ پریوار کے غنڈوں، بدمعاشوں اور جرائم پیشہ وسماج دشمن عناصر نے ۶ ردسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کو شہید کر دیا تھا۔

ایک طرف چوتھائی صدی بعد بھی سکھوں کی نئی نسل ان تمام ظلم وزیادتیوں کے بارے میں جانتی ہے جو بھارت میں ان پر ڈھائے گئے تھے اسکول اور کالج جانے والے بہت سے مسلم لڑکوں اور لڑکیوں کو (پورے ملک میں گزشتہ چھ دہائیوں کے دوران پیش آنے والے بیشمار فرقہ وارانہ ہولوکاسٹوں کو چھوڑئے) یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ۱۹۹۲ء اور ۲۰۰۲ء میں ان کے اوپر کیا بیتی تھی۔ جہاں سکھوں نے اپنی لڑائی بڑی حد تک خود لڑی ہے مسلمان پوری طرح گجرات وغیرہ میں اپنی جدوجہد کو جاری رکھنے کے لئے دوسرے طبقات کے سیکولر افراد پر انحصار کر رہے ہیں۔ دینک جاگرن کا رپورٹر بھی پہلا مظاہرہ کرنے والا سکھ دانشور نہیں ہے۔ مشہور ومعروف کالم نگار خوشونت سنگھ نے گولڈن ٹمپل پر فوج کی چڑھائی کے بعد ملک کا سب سے اعلیٰ ایوارڈ واپس کر دیا تھا۔ آندھرا پردیش کے کیڈر کے ایک آئی اے ایس افسر گورتیج سنگھ اور ایک سینئر آئی پی ایس افسر سمرنجیت سنگھ مان نے اپنے اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ پاکستان کے ساتھ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے فوجی ہیرو جسجیت سنگھ اروڑا نے جس نے بنگلہ دیش بنوایا تھا عوامی طور پر اس ملک کے خلاف اپنے غم وغصہ کا اظہار کیا تھا جس کی فوج کی وہ فخریہ انداز میں سربراہی کر چکے تھے۔ بیشمار سکھ دانشور بار بار قطع نظر پارٹیوں سے وابستگی کے سڑکوں پر آچکے ہیں حالانکہ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ خود ان کے طبقہ کے جنگجو جو جرنیل سنگھ بھنڈرانوالا کی سربراہی میں سرگرم تھے گولڈن ٹمپل میں ہونے والی کارروائی کے لئے کچھ کم ذمہ دار نہیں تھے۔ ان دہشت گردوں نے سکھوں کے نزدیک اس سب سے مقدس مقام کو اپنے کنٹرول میں لئے رکھا اس کا غلط استعمال کیا اور مہینوں تک بار بار کی تنبیہات کے باوجود ہتھیار ڈالنے سے انکار کرتے رہے۔ وہ لوگوں کو قتل کرتے تھے اور پناہ لینے کے لئے گولڈن ٹمپل میں جا کر چھپ جاتے تھے ان کے اس عمل نے حکومت کو فوج بھیجنے کا موقع دیا جس میں سیکڑوں یا ہزاروں

باقی صفحہ ۶ پر

بلاتبصرہ

ہر شخص کو اپنے عقیدے پر عمل کرنے کا پورا حق ہے۔ دستور میں دی گئی عقیدے کی آزادی کے بھی یہی معنی لئے جاسکتے ہیں۔ لیکن پبلک مقامات پر ناجائز قبضہ کر کے بنائی گئی عبادت گاہوں کے پس پشت عقیدے کی روح نظر نہیں آتی۔ اس کے پیچھے افراد یا جماعتوں کے مالی مفادات کا حصول پوشیدہ ہوتا ہے۔

سبھاش گاتاڈے کے مضمون "آستھا، کرمن اور قانون" سے ماخوذ
راشٹریہ سہارا ۲۸ راپریل ۲۰۰۹ء

شمالی کوریا کی دھمکی

پیانگ یانگ- شمالی کوریا نے کہا ہے کہ اگر اقوام متحدہ نے حال ہی میں اس کی راکٹ لانچنگ پر کی گئی مذمت پر معافی نہیں مانگی تو وہ ایک اور جوہری تجربے کے امکان پر غور کر سکتا ہے۔ شمالی کوریا کی وزارت خارجہ نے کہا ہے کہ اگر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اس کے مطالبے کو پورا نہیں کرے گی تو وہ اضافی دفاعی اقدام کرنے پر مجبور ہوجائے گا۔ شمالی کوریا کی طرف سے جاری کردہ بیان میں جن دفاعی اقدامات کے بارے میں خبردار کیا گیا ہے ان میں جوہری اور بین البراعظمی بیلسٹک میزائلوں کے تجربے شامل ہیں۔ واضح رہے کہ اس ماہ کے شروع میں ہی شمالی کوریا نے راکٹ کا تجربہ کیا تھا جس کی امریکہ سمیت تمام مغربی ملکوں نے شدید مذمت کی تھی اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی طرف سے بھی ایک مذمتی قرارداد منظور کی گئی تھی۔ بہت سے ممالک اس لانچنگ کو شمالی کوریا کے بیلسٹک میزائل کی صلاحیت جانچنے کا تجربہ سمجھتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی ایک کمیٹی نے ۲۰۰۶ء کی ایک قرارداد کے تحت جو شمالی کوریا کے ایٹمی تجربے کے بعد نافذ کی گئی تھی شمالی کوریا کے تین کاروباری اداروں کو ہدف بھی بنایا ہے۔

کراچی میں تشدد کی ایک اور لہر

کراچی - بدھ ۲۹ راپریل کی شام پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی کے مختلف علاقوں میں ہنگامہ آرائی اور فائرنگ کے نتیجہ میں ۲۳ رافراد جاں بحق اور ۳۰ سے زائد زخمی ہوگئے۔ زخمیوں میں پولیس اور رینجرز کے اہل کار بھی شامل ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ کراچی میں پھوٹ پڑنے والی تشدد کی اس نئی لہر کی وجہ سے شہر میں زبردست کشیدگی پیدا ہوگئی ہے۔ اتفاق یہ ہے کہ یہی وہ دن ہے جب امریکی صدر اوباما کے اقتدار کے سو دن پورے ہوئے۔ کراچی پچھلے چند برسوں سے اس قسم کی ہنگامہ آرائیوں سے محفوظ تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ ہنگاموں کے دوران دو درجن کے قریب گاڑیاں جلادی گئیں جب کہ دو ہوٹلوں اور کئی دکانوں کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔

دبئی میں مکانوں کی قیمت میں گراوٹ

دبئی-ایک جائزے کے مطابق سال رواں کے ابتدائی تین ماہ میں پراپرٹی کی قیمتوں میں دبئی میں اکتالیس فیصد کمی ریکارڈ کی گئی ہے۔ رئیل اسٹیٹ کی عالمی مشاورتی فرم کولیئرز انٹرنیشنل کے مطابق قیمتوں میں کمی کا رجحان ۲۰۰۸ء کی آخری سہ ماہی سے شروع ہوا تھا اور ان تین ماہ میں پراپرٹی کی قیمتیں آٹھ فیصد گری تھیں۔ کولیئرز نے یہ رپورٹ ان علاقوں کے جائزے کے بعد مرتب کی ہے جہاں ۲۰۰۲ء میں پراپرٹی مارکیٹ کے آغاز کے بعد سے غیر ملکیوں کو مکانات خریدنے کی اجازت تھی۔ قیمتوں میں اتنے بڑے پیمانے پر کمی اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ عالمی اقتصادی بحران کی وجہ سے حالیہ برسوں میں دبئی میں پراپرٹی کی قیمتوں میں ہوشربا اضافے کا سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچ چکا ہے۔ کولیئر کا کہنا ہے کہ قیمتوں میں کمی کی اہم وجوہ میں عالمی طور پر قرضوں کی فراہمی میں کمی دبئی میں ملازمتوں کی عدم دستیابی بھی شامل ہیں۔

سوائن فلو کا پھیلاؤ جاری

لندن- اسرائیل اور نیوزی لینڈ میں بھی میکسکو سے شروع ہونے والے سوائن فلو کے مریضوں کی تصدیق ہوئی ہے جب کہ عالمی ادارہ صحت نے خبردار کیا ہے کہ اس فلو کے پھیلاؤ کو روکنا اب ممکن نہیں۔ اس نے اس کی خطرناکی کے درجہ کو بڑھا کر پانچ کر دیا ہے اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا ہے کہ اب اس کو وبائی مرض میں تبدیل ہونے سے نہیں روکا جاسکتا۔ اب تک امریکہ، کناڈا، اسپین اور برطانیہ میں ہی اس فلو کے مریض سامنے آئے تھے مگر اب یہ دوسرے ملکوں میں بھی پھیل رہا ہے۔

◎

۲۰ مارچ ۲۰۰۹ء کو امریکی صدر اوباما نے ایرانی قوم کو دونوں ممالک کے تعلقات کی "نئی ابتداء" کا پیغام دیا، دوسرے ہی دن عید نیروز کے موقع پر خطاب میں اسلامی جمہوریہ ایران کے مرشد سید علی خامنہ ای کا فیصلہ کن جواب آگیا، اس میں انہوں نے گفتگو کو قبول کیا نہ رد بلکہ اس کو ایران سے متعلق امریکہ کی پالیسیوں میں تبدیلی سے مربوط کرتے ہوئے کہا: "وہ تبدیلی کو ایک نعرہ کے طور پر پیش کرتے ہیں، لیکن واقعتاً کوئی تبدیلی نہیں دیکھی گئی، ہم نے کوئی تبدیلی نہیں دیکھی، امریکہ کی طرف سے صرف لفظی تبدیلی کافی نہیں ہے، تم بدلو تو ہمارا سلوک بھی بدلے گا!"

یہ کوئی نئی بات نہیں جب سے اوباما نے ایران کے ساتھ گفتگو کی نیت کا اظہار کیا ہے کئی ایرانی ذمہ دار یہ بات دہرا چکے ہیں، چنانچہ ایرانی صدر احمدی نژاد نے العربیہ چینل کے ساتھ انٹرویو میں کہا "وہ زبانی کہتے ہیں کہ تبدیلی چاہتے ہیں، تبدیلی انہیں یہ کرنی ہے کہ وہ ایران امت سے معذرت کریں اور اس کے خلاف کئے ہوئے جرائم کی سیاہ تاریخ کی اصلاح کریں۔" یہی بات ان کے نائب صدر علی اکبر نے اس طرح کہی: "اپنے طرز عمل میں بنیادی تبدیلی کرکے امریکہ ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا سکتا ہے۔ غیر محدود پابندیاں جواب تک جاری ہیں اور جن کی تجدید کی جاتی

ایران-امریکہ تعلقات کی "نئی ابتداء"

ترجمہ: مسعود الرحمٰن خاں ندوی

رہتی ہے وہ غلط ہیں، ان کو واپس لینا چاہئے۔" نئی بات اس وقت یہ ہوئی کہ حسب سابق نظر انداز کرنے کے بجائے خود خامنہ ای نے امریکہ کے ساتھ تعلقات پر انتہائی وضاحت سے گفتگو کی۔

یہ سوچنا غلط ہے کہ ایران واشنگٹن سے گفتگو کے لئے بیتاب ہے اگرچہ اس کو گفتگو سے متعدد فائدے حاصل ہونے والے ہیں جیسے ایرانی نظام حکومت کو گرانے کی امریکی خواہش سے دستبرداری، ایران کے علاقائی اثر ورسوخ کا امریکہ کی طرف سے اعتراف، امریکہ میں ایران کی منجمد (ضبط شدہ) دولت کی واپسی، اور پابندیوں کا خاتمہ، مگر ایران کے سامنے دیگر قابل لحاظ باتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ اوباما کے پیغام کا مثبت جواب دینے میں متامل ہے جیسا کہ خامنہ ای کے جواب سے واضح ہے۔ گزشتہ صدی کی آٹھویں دہائی کے نصف سے ایران کو امریکہ کی طرف سے یکطرفہ پابندیوں کا سامنا ہے جس میں ترقی یافتہ ٹیکنالوجی اور ساز وسامان کی برآمد، ایرانی لفظ کی درآمدات پر پابندی شامل ہے۔ پھر امریکہ نے ۱۹۹۵ء میں اس کے خلاف مکمل اقتصادی پابندی عائد کردی۔ ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثات کے بعد دہشت گردی کے خلاف امریکہ کے اعلانِ جنگ اور ۲۰۰۲ء میں ایران کے نیوکلیئر عزائم کے خلاف پیدا کردہ بحران کے بعد طرفین میں تناؤ آخری حد کو پہنچ گیا، جب کہ جارج ڈبلیو بش انتظامیہ نے ایران کو "شر کے محور کے قلب" میں رکھا، اور اس پر دہشت گردی کو تقویت پہنچانے اور عام تباہی کے ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش اور شرق اوسط میں امریکی مفادات کے خلاف اقدامات کے الزامات لگائے پھر سیکورٹی کونسل اور یورپی یونین سے بھی اس کے خلاف پابندیاں عائد کرائیں اور اس سے بڑھ کر صدارت کی آخری مدت تک بش ایرانی نظام حکومت کے خلاف جنگ اور اس کو تباہ وبرباد کرنے کی دھمکی دیتے رہے، اس لئے خامنہ ای نے ایرانی قوم کے خلاف امریکی اقدامات کے کفارہ اور اوباما کی طرف سے گفتگو کی دعوت کو قبول کرنے کی بات کو یہ کہتے ہوئے مربوط کیا: "اب نیا امریکی انتظامیہ کہتا ہے کہ ماضی کو بھلا کر ایران کے ساتھ گفتگو چاہتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم ایران کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اس ہاتھ کی نوعیت کیا ہے؟ اگر مخملی دستانہ سے ڈھکے ہوئے اس ہاتھ کے اندر سخت لوہے کا بنا ہوا ہاتھ ہوا تو اس کے مطلقاً کوئی اچھے معنی نہیں ہوں گے۔"

ایران نے اپنے انقلاب کی بنیاد "عالمی استکبار کی طاقتوں" (جن میں سرفہرست امریکہ تھا) کے خلاف دشمنی پر رکھی تھی، بلکہ ابتداء میں تہران میں امریکی سفارت کے یرغمالیوں کے بحران کے موقع پر تو ایران براہ راست امریکہ کے ساتھ تصادم میں ملوث ہوگیا تھا۔ پھر پورے تیس برس ایرانی سیاست کی نمایاں نشانی "امریکی دشمنی" برقرار رہی جس کو بیرونی دھمکی کے وجود کی بنیاد پر ایران کے مذہبی رہنماؤں نے اپنے پیر جمانے اور اپنا نظام قائم رکھنے کے لئے انتہائی دہانت سے استعمال کیا۔

اس لئے امریکہ-ایران سمجھوتہ اور امریکہ کی طرف سے ایران کے علاقائی کردار کو تسلیم کرنے کے بعد ایران کے حاکم نظام شریعت کو دھکا لگ سکتا ہے، اس لئے کہ امریکہ دشمنی نے عالم عربی کی اکثر مزاحمتی تحریکوں اور بعض نمایاں حلقوں میں ایران کے علاقائی کردار کو بڑی مدد وہمدردی نصیب کی ہے، مگر ایران وامریکہ کے مابین کوئی بھی معاہدہ جس میں مزاحمتی تحریکوں کی مدد سے ایران کی دستبرداری شامل ہو اس کی علاقائی نیک نامی پر اثر انداز اور اس کی "نرم طاقت" کو قابل لحاظ تک محدود کرسکتی ہے جس کی وجہ اس کے علاقائی کردار کا بڑا حصہ ختم ہوجائے گا۔ اس لئے یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ایران ایسے فریق سے معاہدہ کی خاطر اپنی علاقائی نیک نامی کی قربانی دے گا جس کے اغراض ومقاصد سے وہ خائف رہتا ہے اور جس کے ساتھ اس کے تعلقات کی تاریخ ناقابل اطمینان رہی ہے؟

ہوسکتا ہے کہ ایران امریکہ کے ساتھ گفتگو کے اصول کو قبول کرلے لیکن مذکورہ وجوہ کی بنیاد پر یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ فریقین میں کسی ایسے بڑے سودے کا معاہدہ ہوسکے جس میں تہران اپنے نیوکلیئر عزائم سے دستبردار ہو۔ لبنان وفلسطین کی مزاحمتی تحریکوں کی مدد سے باز آئے اور امریکہ کے ایرانی نظام حکومت کو گرانے، پابندیوں کو ختم کرنے اور ایران کے علاقائی نفوذ کو تسلیم کرنے کے عوض عراق وافغانستان میں استحکام کے لئے امریکہ کے ساتھ تعاون کرے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ واشنگٹن کے ساتھ ایک قسم کے "سوچے سمجھے کھلے پن کی پالیسی اختیار کرے جس میں اسلامی مجلس شوریٰ کے اسپیکر علی لاریجانی کے بقول کھیل کے قواعد باکسنگ کے بجائے شطرنج کی چال سے بدل جائیں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ فریقین میں نئے قواعد کی بنیاد پر مقابلہ جاری رہے گا، جس میں دونوں کے درمیان تمام اختلافی امور میں ترتیب وتنقیح کا امکان موجود ہوگا۔ اگر ہم ایران وامریکہ دشمنی کی گہرائی اور ضرورت کا لحاظ کریں تو اِدھر اُدھر کے سرسری بیانات یہاں تک کہ عبوری ملاقاتوں سے تعلقات کی بہتری کی امید رکھنا ایک طرح سے سیاسی نادانی ہوگی۔

(ہفتہ وار الامان، بیروت)

کچھ نماز کے بارے میں

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدمی کی نماز جماعت کے ساتھ ۲۵ درجے زیادہ ثواب رکھتی ہے، بمقابلہ اس نماز کے جو گھر یا بازار میں پڑھے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ جو وضو کیا، اچھی طرح وضو کیا، پھر مسجد کی طرف چلا خالص نماز کی نیت سے تو ہر قدم جو وہ مسجد کی طرف اٹھاتا ہے، اس قدم کی بدولت ثواب کے ذریعہ اس کا درجہ بلند کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو جب تک وہ نماز میں مشغول رہتا ہے، فرشتے اس کے لئے دعائے رحمت ومغفرت کرتے ہیں، اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں رہتا ہے اس کا وقت نماز ہی میں شمار ہوتا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تک وہ کسی کو مسجد میں ایذا نہ دے اور جب تک اس کا وضو نہ ٹوٹے۔" (بخاری، مسلم)

اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا حساب لگا کر بتادیا ہے کہ باجماعت نماز کا اجر انفرادی نماز سے ۲۵ گنا کیوں ہوتا ہے۔ سب سے پہلے نمازی نے وضو کیا پھر مسجد کی طرف روانہ ہوا، تو چونکہ یہ سارا اہتمام اس نے نماز کی خاطر کیا، اس لئے گویا اس کا حساب کھل گیا۔ اب اس کے ہر قدم پر جو نیکی کی جانب اُٹھ رہا ہے اس کا ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک درجہ اس کا بلند کردیا جاتا ہے مسجد میں آیا، ابھی جماعت میں دیر ہے تو جتنی دیر وہ نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے گا۔ اس کا یہ سارا وقت بھی نماز کے حساب میں لکھا جائے گا۔ پھر جب نماز پڑھے گا تو فرشتے اس پر رحمت بھیجیں گے۔ اس طرح یہ ساری چیزیں مل کر نماز باجماعت کے اجر کو بڑھا دیتی ہیں، بہ نسبت اس نماز کے جو گھر میں ادا کی جائے۔

اس روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ "جب تک وہ کسی کو مسجد میں ایذا نہ دے اور جب تک اس کا وضو نہ ٹوٹے"، یعنی اگر مسجد میں جاتا ہے اور وہاں جھگڑتا ہے، دوسرے نمازیوں کو اذیت پہنچاتا ہے، دھکے مار کر اور دوسروں پر سے پھلانگ کر اپنا راستہ بناتا ہے تو وہ اپنے اجر کو ضائع کرتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک آدمی نے وضو توڑ دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز میں نہیں۔ وضو کے ساتھ ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ نماز کے لئے تیار ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ مسجدیں بنانے میں لوگ فخر کیا کریں گے۔" (ابوداؤد، دارمی، نسائی، ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ ہر گروہ یہ چاہے گا کہ میری مسجد زیادہ شاندار اور زیادہ اونچی ہو اور اس سلسلے میں لوگوں کے درمیان باہم مقابلہ شروع ہوجائے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ بھی قرب قیامت کی ایک علامت ہے۔ جب ایسا ہو تو دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خیر کم ہورہی ہے اور مسجد کو بھی لوگوں نے ایک دوسرے پر تکبر کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ تکبر کا اظہار محلات بنانے میں ہو تو یہ بھی گناہ ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ برا گناہ یہ ہے کہ لوگ مسجدوں کے ذریعے اپنے تکبر کا اظہار کریں۔

حضرت عمرو ابن شعیب والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تمہارے بچے سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہوں (اور نماز نہ پڑھیں) تو ان کو مار مار کر نماز پڑھاؤ۔ اور ان کے سونے کی جگہ علیحدہ کردو یعنی ان کی تنہا سلاؤ (ابوداؤد)

عام طور پر لوگ اس حدیث کا جو مطلب لیتے ہیں وہ اس حکمت مطلوب کے خلاف ہے جسے اسلامی احکام پر عمل کرتے ہوئے ملحوظ خاطر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کون سا حکم کس موقع پر عمل میں آنا چاہئے۔ اگر آدمی اس کو نہ سمجھے تو عموماً غلطی کا شکار ہوجاتا ہے۔ اس مسئلے کو لے لیجئے۔ جب یہ حکم دیا جارہا تھا تو عہد رسالت میں لوگوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ کوئی شخص نماز پڑھے بغیر مسلمانوں میں سے نہیں ہوسکتا۔ ترک صلوٰۃ کا عمل اسلامی نظام جماعت سے علیحدہ ہوجانے کی علامت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین تک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نماز ادا کرنی پڑتی تھی۔ یہ بات کسی مسلمان کے ذہن میں آہی نہیں سکتی تھی کہ نماز کے بغیر بھی آدمی کا ایمان واسلام سلامت رہتا ہے۔ ایک مسلمان بچہ اس معاشرے میں اپنے گھر والوں اور اہل محلہ کو نماز پڑھتے دیکھ کر ۷ سال کی عمر سے پہلے ہی نمازی ہوچکا ہوتا تھا۔ نماز نہ پڑھنے پر اگر دس سال کی عمر میں اسے سزا دی جاتی وہ اسے ایک امر معقول تصور کرتا تھا، وہ جانتا تھا کہ نماز نہ پڑھنا ایک جرم ہے۔ جس طرح چوری کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے اسی طرح جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو اسے بھی سزا ملنی چاہئے۔ مگر آج صورت حال بالکل مختلف ہے۔

آج ایک مسلمان بچہ آنکھ کھولتا ہے تو مسلمانوں میں سے بمشکل پانچ فیصد افراد کو نمازی پاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ مسلمانوں کی سوسائٹی میں ایک شخص نماز پڑھے بغیر بڑی سے بڑی اعلیٰ پوزیشن بھی حاصل کرسکتا ہے۔ مسلمان ہی نہیں کہلاتا مسلمانوں کا رہنما اور حکمراں بھی بن سکتا ہے۔ اس کے گھر کے حالات یہ ہوتے ہیں کہ اگر اس کی ماں نماز پڑھتی ہے تو باپ نہیں پڑھتا، اور اگر باپ پڑھتا ہے تو بڑا بھائی نہیں پڑھتا۔ یہ منظر دیکھ کر اس کی ذہنیت ہی کچھ اور ہوجاتی ہے۔ دس برس کی عمر تک پہنچتا ہے۔ تو تین چار جماعتیں بھی پڑھ چکا ہوتا ہے۔ اسکول میں وہ دیکھتا ہے کہ اس کے استاد نماز نہیں پڑھتے۔ اس سلسلہ واقعات میں سے گزرنے کے بعد اگر آپ اسے نماز نہ پڑھنے پر سزا دینی شروع کردیں تو وہ اسے زیادتی تصور کرے گا اور اس کے ذہن میں بغاوت پیدا ہوجائے گی۔ مارے ڈر سے اس کا جسم نماز پڑھ بھی لے مگر دل نمازی نہیں بنے گا، اور بڑا ہوجانے پر اسے جب بھی باپ سے جدا ہونے کا موقع ملے گا وہ پہلا کام یہی کرے گا کہ نماز چھوڑ دے گا۔

آپ کا فرض یہ ہے کہ بچے کے دل میں نماز اُتارنے کی کوشش کریں۔ مارنے سے پہلے اسے دل سے نمازی بنائیں اور اس کا سینہ نور ایمان سے منور کریں۔ احساسِ فرض پیدا کرنے کے بعد آپ اسے جو نماز پڑھائیں گے وہ اسے عمر بھر جاری رکھے گا اور اگر آپ چاہیں کہ یہ سب کچھ کئے بغیر انہی بگڑے ہوئے حالات میں اسے نماز نہ پڑھنے پر سزا دیں تو یہ نسخے کا غلط استعمال ہوگا۔ یہ کام اناڑی کیا کرتے ہیں کہ نسخہ پڑھ لیا اور اس کے بعد نہ موسم کو دیکھا نہ مریض کے خصوصی حالات کو، بلاسوچے سمجھے اس کا استعمال شروع کردیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک روز آپؐ نے نماز کا ذکر کیا اور فرمایا کہ جو شخص نماز کی محافظت کرتا ہے تو نماز اس کے لئے نور کا سبب اور برہان ہوگی۔ اور قیامت کے دن نجات کا سبب ہوگی۔ اور جو نماز کی محافظت نہ کرے تو اس کے لئے نہ یہ نور ہوگی۔ نہ برہان اور نہ نجات اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔" (احمد، دارمی، بیہقی)

نماز کی محافظت سے مراد یہ ہے کہ دائماً اوقات کی پابندی اور اس کی جملہ شرائط کے ساتھ اس کی ادائیگی۔ نماز کا ضائع کرنا یہ ہے کہ وقت آیا اور جانے کو ہے مگر آپ کو اس کی کوئی فکر نہیں۔ آپ نے دیکھا لوگ نماز پڑھ رہے ہیں تو وضو بے وضو ہی ٹرخادی۔ صلوٰۃ کی محافظت یہ ہے: کپڑوں کا پاک صاف ہونا، کامل احتیاط کے ساتھ وضو کرنا اور نماز کے وقت پر اسے ادا کرنا، یہ ساری باتیں اس میں شامل ہیں۔ حضور فرما رہے ہیں کہ جو شخص نماز کو اوقات وشرائط کے ساتھ ادا کرے گا تو یہ نماز اس کے لئے نور بن جائے گی۔ دنیا میں اسے روشنی نظر آئے گی اور وہ صاف دیکھ لے گا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے اور غلط کون سا؟ اس دنیا کی روشنی پر قیامت کے دن کی روشنی کا انحصار ہے۔ وہاں نماز ادا کرنے والے خلق خدا میں الگ چمکتے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہ نور اس کا پتا دے گا کہ نیک کون ہے؟ پھر آپؐ نے فرمایا کہ نماز برہان ہوگی، یعنی اس بات کی دلیل کہ نماز ادا کرنے والا نجات کا مستحق ہے۔ نماز کی پابندی اس کے لئے معافی کے مستحق ہونے کی دلیل ہوگی اور اس کے نتیجہ میں وہ قیامت کے دن نجات سے ہمکنار ہوگا۔ اور جو لوگ نماز کی محافظت نہیں کریں گے تو آخر کار ان کا انجام ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ جس طرح یہ لوگ غافل ہوکر زندگی گزارتے رہے اور انجام کار اللہ کے عذاب سے دوچار ہوئے۔ ●●

◎

ہر سال ۲۲ اپریل کو یوم ارض (ارتھ ڈے) منایا جاتا ہے۔ اس دن کی اہمیت یہ ہے کہ عوام اور خواص دونوں کو ان سنگین خطرات سے آگاہ کیا جائے جن سے پوری دنیا دوچار ہے اور جن میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔ عوام کو یہ بھی بتایا جائے کہ یہ خطرات خود ہمارے پیدا کردہ ہیں۔ اور یہ بھی بتایا جائے کہ اگر ہم نے اس وقت بھی زمین کی فریاد پر کان نہ دھرا تو پھر واقعی "ہماری داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں"

گزشتہ ربع صدی میں تمام دنیا میں اس پر بہت توجہ دی گئی ہے کہ ہمارے کارخانے، ہماری گاڑیاں جن گیسوں کا اخراج کررہی ہیں ان کے اثرات کیا ہورہے ہیں۔ تیل، لکڑی اور کوئلہ جلا کر جو دھواں فضا میں جاری ہے اس کے اثرات کیا ہورہے ہیں اور ہم اپنے گھروں کا، کارخانوں کا سارا استعمال شدہ پانی آخرکار سمندروں میں ڈال رہے ہیں اس کے اثرات کیا ہورہے ہیں۔ ہم کیسے اپنے ماحول کو تباہ کررہے ہیں۔

۱۹۷۲ء میں اقوام متحدہ نے اسٹاک ہوم میں "انسانی ماحول" کے موضوع پر ایک کانفرنس کی تھی جس میں دبے دبے الفاظ میں نشاندہی کی گئی تھی کہ ترقی یافتہ ممالک ماحول کو بہت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اُس وقت یہ خیال بھی پیدا ہوا تھا کہ یہ مسئلہ کسی ایک ملک، ایک علاقے یا ایک خطے کا نہیں ہے چنانچہ اس پر مل جل کر کام کرنا ضروری ہے۔

پھر جون ۱۹۹۲ء میں برازیل کے شہر ریوڈی جنیرو میں اس موضوع پر ایک عالمی کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس میں ۱۷۸ ممالک کے سربراہان یا دیگر اہم شخصیات نے شرکت کی اور ایک ہفتے تک چلنے والے کانفرنس کے سکریٹری نے کہا "ماحول کی خرابی سے کوئی جگہ محفوظ نہیں ہے، اب یہ وہ وقت ہے جب ہم مشترکہ کوششوں سے یا تو پوری دنیا کو بچالیں گے یا کوئی نہیں بچے گا۔" اسی کانفرنس میں کہا گیا کہ امریکہ اور دیگر ترقی یافتہ ممالک سب سے زیادہ ماحول کو آلودہ کررہے ہیں یعنی ان ممالک کی آبادی دنیا کی آبادی کا ۲۵ فیصد ہے اور وہ دنیا کی ۷۵ فیصد توانائی استعمال کرتی ہے اور دنیا کی ۷۵ فیصد آبادی جو غریب ممالک میں رہتی ہے۔ وہ ۲۵ فیصد توانائی استعمال کرتی ہے۔ اس لئے ماحول کو بہتر بنانے کے کام کا بوجھ بھی ترقی یافتہ ممالک کو ہی اٹھانا چاہئے۔

جو مسائل اس کانفرنس میں زیر غور تھے وہ آج پوری شدت سے موجود ہیں۔ یعنی کوشش کی جارہی تھی کہ کوئی ایسا طریق کار طے ہوجائے جس سے زہریلی گیسوں کے اخراج کو کنٹرول کیا جاسکے، اوزون کی تہہ کا تحفظ ہوسکے، جنگلات کا تحفظ ہوسکے، سمندروں کا تحفظ ہوسکے۔ اس کے لئے یہ

روئے زمین کی سلامتی وبقا

ڈاکٹر وقار احمد زبیری

طے پایا کہ تمام ممالک اور بالخصوص ترقی یافتہ ممالک سب سے زیادہ سرگرمی دکھائیں، چنانچہ ایک قرارداد منظور کی گئی کہ یہ ممالک ۲۰۱۲ء تک زہریلی گیسوں کے اخراج میں کم از کم پانچ فیصد ورنہ ۸ فیصد کمی کریں۔ اس قرارداد پر امریکہ کے علاوہ سب سے نے دستخط کئے۔ امریکہ کے صدر جارج بش (اوباما سے پہلے امریکی صدر بش کے والد) نے کہا "میں امریکہ کا صدر ہوں، ساری دنیا کا نہیں۔ اس لئے وہی کروں گا جو امریکہ کے مفاد میں ہوگا۔" چنانچہ امریکہ نے کوئی پابندی قبول کرنے سے انکار کیا۔ بعد میں کچھ اور ممالک جنہوں نے دستخط بھی کردیے تھے عملاً پابندی پر عمل کرنے سے انکار کردیا اور ان گیسوں کے اخراج کو روکنے میں کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا بلکہ یہ ہوا کہ امریکہ جو ۱۹۹۰ء میں ۶۰۳۳ ملین ٹن گیسوں کا اخراج کررہا تھا، ۲۰۰۴ء میں یہ اخراج ۷۰۴۷ ملین ٹن ہوگیا، یعنی دس فیصد کا اضافہ ہوا۔ چین کا اخراج ۱۹۹۰ء میں ۳۰۵۰ ملین ٹن تھا جس میں ۳۲ فیصد کا اضافہ ہوا، بھارت میں ۱۴ فیصد، پاکستان میں ۳۸ فیصد کا اضافہ ہوا۔ مارچ ۲۰۰۸ء کو جو اعداد وشمار شائع کئے گئے ان کے مطابق صرف چند ممالک میں کمی ہوئی جیسے پولینڈ، ملائشیا ورنہ سب جگہ اضافہ ہوا اور سب نے برازیل کے بعد کیوٹو جاپان میں ہونے والی کانفرنس میں اسی قسم کی قرارداد پر دستخط کئے تھے۔

ان تمام لاپرواہیوں اور ماحول کے ساتھ ظالمانہ رویے کے نتائج سامنے آرہے ہیں اور اتنی تیزی سے آرہے ہیں کہ کسی کو توقع نہیں تھی۔ جن خدشات کا اظہار کیا جارہا ہے اس پر اب بہت شور ہورہا ہے۔ پہلے کہا جارہا تھا کہ ترقی پذیر ممالک بھی ہر قسم کی پابندی قبول کریں۔ اب ذرا یہ شور کم ہوگیا ہے کیونکہ امریکہ بہادر نے بھی خطرے کو محسوس کرلیا ہے۔ اب اوباما صاحب پابندی قبول کرنے کو تیار ہیں۔

ان خطرناک گیسوں کی وجہ سے ماہرین نے بتایا کہ درجہ حرارت میں کم از کم 2° کا اضافہ ہوجائے گا۔ اس سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آرکٹک اور دیگر علاقوں کی وہ برف جو صدیوں سے جمی ہوئی ہے تیزی سے پگھلے گی اور جامعہ ٹورنٹو کے ماہرین کے مطابق سمندروں کی سطح ۱۷ فٹ تک بلند ہوسکتی ہے۔ فلاڈلفیا کا علاقہ غرق ہوجائے گا، واشنگٹن میں یہ سطح ۲۱ فٹ تک ہوسکتی ہے۔ یہ ماہرین کہتے ہیں کہ آرکٹک پر برف کی تہہ کبھی اتنی پتلی نہ تھی۔ اس لئے آسانی سے اور جلدی سے پگھل جاتی ہے۔

عام طور سے آرکٹک پر سردیوں میں برف کی تہہ دس فٹ تک دبیز ہوجاتی ہے جو تقریباً ۹۷۰۰,۰۰۰ کلومیٹر یعنی گرین لینڈ اور کینیڈا سے لے کر روس تک پھیلی ہوتی ہے۔ اسی برف کی تہہ میں گرمی پھنس جاتی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آرکٹک دنیا کا ریفریجریٹر ہے۔ مگر اب صورت حال بدل رہی ہے۔ اب ۳ فیصد کے حساب سے برف پگھل رہی ہے اور سارا پانی سمندر میں ہی جارہا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے جیفری لینس کا ایک تحقیقی پرچہ شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ جب سمندر پانچ فٹ بلند ہوجائیں گے تو مصر میں ۸۰ لاکھ، بنگلہ دیش میں ڈیڑھ کروڑ لوگ بے گھر ہوجائیں گے، قاہرہ، شنگھائی، نیو اورلینز میں بھی پانی بھر جائے گا۔ جزائر مالدیپ دنیا سے مٹ جائیں گے، چاول اُگانے والے علاقوں میں پانی بھر جائے گا۔

دوسری طرف درجہ حرارت بڑھنے سے کہیں خطرناک سمندری طوفان آئیں گے اور کہیں شدید خشک سالی ہوگی۔ زرعی زمینیں صحرا بن جائیں گے اور آخرکار زمینوں سے بس اتنا ہی غلہ پیدا ہوگا جو بس ۱۰ تا ۲۰ فیصد کی کفالت کرسکے گا۔ فوڈ این، ایگریکلچر آرگنائزیشن (FAO) نے بھی دنیا کو خبردار کیا ہے کہ دنیا میں غلے کی پیداوار میں مسلسل کمی ہورہی ہے، بطور خاص گندم اور مکئی کی بازیافت کم ہورہی ہے اور بتدریج یہ سب سامنے بھی آرہا ہے۔

ایف اے او نے اس کمی کے اسباب بھی بتائے ہیں کہ ماحولیاتی تبدیلیاں، پانی کی کمی اور اناج سے ایندھن کی تیاری۔ ہر طرف عالمی حدت اور ماحولیاتی تبدیلیوں کے اثرات واضح طور پر دیکھے جارہے ہیں۔ صورتحال روز بروز خطرناک ہوتی جارہی ہے۔ پانی کی کمی کے ساتھ پانی کا زیاں بھی پوری ڈھٹائی سے کیا جارہا ہے۔ جنگلات کی کمی کے ساتھ جنگلات کی کٹائی پوری شدت سے جاری ہے۔ تمام قاعدے قوانین کی موجودگی کے باوجود کارخانوں سے نکلنے والے دھویں کو روکا جاسکا ہے نہ ان سے نکلنے والے گندے اور گی پانی (گندآب) کو سیدھا سمندر میں جانے سے روکا جاسکا ہے، نہ ان گاڑیوں کو روکا جارہا ہے جن سے دھواں نکل رہا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ درخت لگاؤ (یہ صدقہ جاریہ ہے) یہ بھی فرمایا تھا کہ نہر کے کنارے بیٹھ کر بھی وضو کرو تو اتنا ہی پانی استعمال کرو جس کی ضرورت ہے۔ اس پر توجہ کی ضرورت ہے کہ ہم ان دونوں پر کتنا عمل کررہے ہیں۔

اس عالمی یوم ارض پر اگر یہ طے کرلیا جائے کہ پانی کو ضائع نہیں کیا جائے گا، ہر قطرے کی حفاظت کی جائے گی، ہم اپنا کوڑا سڑک پر نہیں ڈالیں گے اور یہ کہ جو گاڑی ہمارے زیر استعمال ہو اس میں سے دھواں نہیں نکلے گا اور مزید یہ کہ ہر شخص ایک پودا لگائے گا۔ (چاہے چھوٹے سے گملے میں ہی ہو) تو آلودگی کے بہت سے مسائل حل ہوجائیں گے۔ ہم دنیا کے مسائل حل نہیں کرسکیں گے مگر اپنے حصے کا وہ کام تو کریں جو کرنا ممکن ہے۔ محض دوسروں کو برا بھلا کہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ●●

صہیونی دہشت گرد گرفتار

تہران-اسلامی جمہوریہ ایران کی انٹلی جنس کے وزیر غلام حسین محسنی اژہ ای نے کہا ہے کہ صہیونی حکومت سے وابستہ دہشت گرد گروہ کے ایجنٹوں کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا تعلق صہیونی حکومت سے ہے۔ جو ایران میں بدامنی پھیلاتے اور مختلف مواقع منجملہ آنے والے صدارتی انتخابات کے موقع پر مختلف شہروں ومقامات پر بم دھماکے کرنے نیز ملک کے اندر بے چینی پیدا کرنے کے گھناؤنے مشن پر کام کررہا ہے۔

حکومت وعوام فضول خرچی سے پرہیز کریں

عارف عزیز (بھوپال)

ہمارے ملک کی آبادی کا نصف حصہ غربت ومفلسی میں گزر بسر کررہا ہے۔ مختلف قدرتی آفات، گرانی اور وسائل کی کمی کے باعث کئی ریاستوں میں صورت حال اس قدر تشویشناک ہے کہ لوگ فاقہ زدگی سے دم توڑ رہے ہیں لہٰذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم کو جو معاشی وسائل فراہم ہیں ان کا پوری ذمہ داری اور بہتر ڈھنگ سے استعمال کیا جائے تاکہ عوام کے دکھ درد میں ہی کمی نہ آئے ان کی اقتصادی حالت بھی بہتر ہوسکے۔ اس سلسلے کا ایک اہم کام یہ ہے کہ کیا عوام اور کیا حکومت سب اپنی فضول خرچی پر قابو پائیں، اپنے غیر ضروری مصارف کو محدود کریں۔ مہیا وسائل کو زیادہ سے زیادہ ترقیاتی منصوبوں پر صرف کیا جائے ورنہ وہی ہوگا جو آج تک ہوتا رہا ہے کہ آزادی کے بعد کی چھ دہائیوں میں نہ ہماری قومی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا نہ مرکزی اور ریاستی سرکاروں کی آمدنی بڑھ سکی بلکہ جو کچھ وسائل ہیں ان کا ۷۵ فیصد انتظامیہ کے اخراجات پر خرچ ہورہا ہے لہٰذا ترقیاتی امور کے لئے درکار سرمایہ ناکافی ہونے سے اکثر پروجیکٹوں کو مکمل کرنے میں رکاوٹ پیدا ہورہی ہے، اس میں سب سے زیادہ غلطی اگر کسی کی ہے تو وہ مرکز اور ریاستی حکومتوں کی فضول خرچی کی ہے جس کے نتیجہ میں سالہا سال سے سرکاریں خسارہ کی بجٹ سازی میں مصروف ہیں اور عام لوگوں کی دشواریاں دن بدن بڑھتی جارہی ہیں۔ گزشتہ سال کے لئے مرکزی حکومت اور ریاستی سرکاروں کے جو بجٹ مرتب ہوئے تھے ان سے بھی اگر کچھ واضح ہوتا ہے تو وہ یہی ہے کہ حکومتیں ذرائع اور وسائل کی کمی سے دوچار ہیں۔

آزادی کی جدوجہد کے دوران گاندھی جی اور دیگر کانگریسی رہنماؤں نے بیرون ملک تیار مصنوعات کے بائیکاٹ کی تحریک چلائی تھی۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ جدوجہد آزادی کے لئے جہاں عوامی جوش وولولہ کو ایک سمت دی جائے وہیں جاگیر دارانہ سماج میں پائی جانے والی مسرفانہ معاشرت کی روح سے بھی گلوخلاصی حاصل کرلی جائے۔ اس وقت مذکورہ تحریک کے نہایت دور رس نتائج برآمد ہوئے اور سماجی، اقتصادی، اخلاقی بلکہ سیاسی سطح پر بھی اس تحریک نے پوری قوم کو متاثر کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک ایسی نسل تیار ہوگئی، جو سادگی، جفاکشی، حب الوطنی اور قومیت کے جذبات سے سرشار تھی۔

اس نسل کے بڑے حصے نے سادگی کے بطور کھدر پوشی اپنا کر بدیسی مصنوعات پر ملکی ساز وسامان کو ترجیح دینے کا جو حوصلہ دکھایا تھا آج وہ ختم ہوچکا ہے سب سے زیادہ توجہ اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ آزادی کے بعد دیسی مصنوعات کا استعمال کرکے سادگی اور معیار زندگی میں مساوات کے بجائے ہر سطح پر نام ونمود اور اعلیٰ معیار زندگی کے لالچ نے یہاں کے عوام کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ چنانچہ جسے دیکھو آج رئیسانہ طرز زندگی اور مسرفانہ معاشرت کا خواہشمند نظر آتا ہے اور اسی وجہ سے سماج میں جہیز جیسی بری رسوم خوب برگ وبار لارہی ہیں اور زیادہ سے زیادہ مالی منفعت حاصل کرنے کا وہ چکر چل پڑا ہے جو کسی بھی معاشرہ کو کھوکھلا کرکے رکھ دیتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ حکومت جہاں سماج کی اصلاح کے لئے مہم چلائے وہیں اپنے بے جا مصارف پر بھی قابو پائے تاکہ حرص وہوس کی اس دوڑ پر کسی حد تک روک لگ سکے۔ ●●

دعوت

۴ر مئی ۲۰۰۹ء

پولنگ کا تیسرا مرحلہ

پندرہویں لوک سبھا کے لئے ہونے والے عام انتخابات کا تیسرا مرحلہ ۳۰ر اپریل کو مکمل ہوگیا۔ اس دن نوصوبوں اور دو علاقوں تحت مرکز میں مجموعی طور پر ۱۰۷ پارلیمانی حلقوں میں ووٹ ڈالے گئے۔ سکم کے اسمبلی انتخابات کے لئے بھی اسی دن پولنگ ہوئی۔ ۳۲ انتخابی حلقوں میں ووٹ ڈالے گئے الیکشن کمیشن کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق ان ۱۰۷ پارلیمانی حلقوں میں ووٹروں کی تعداد چودہ کروڑ چالیس لاکھ دو ہزار دوسو پینسٹھ تھی۔ ان ۱۰۷ پارلیمانی حلقوں کے لئے ۱۵۶۷ اُمیدوار میدان میں تھے، ان میں ۱۰۱ خواتین امیدوار بھی شامل ہیں۔ اس تیسرے مرحلہ کی پولنگ کے اختتام کے ساتھ لوک سبھا کی ۵۴۳ نشستوں میں سے ۳۷۲ نشستوں کے لئے ووٹ ڈالے جاچکے ہیں۔ اس تیسرے مرحلہ کی پولنگ کے دوران گجرات کی تمام ۲۶ نشستوں، مدھیہ پردیش کی ۱۶، اُترپردیش کی پندرہ مغربی بنگال کی چودہ، بہار اور کرناٹک میں گیارہ گیارہ، مہاراشٹر کی دس جموں وکشمیر اور سکم کی ایک ایک اور علاقہ ہائے تحت مرکز میں دادرنگر حویلی اور دمن دیپ کی ایک ایک پارلیمانی نشستوں کے لئے ووٹ ڈالے گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس تیسرے مرحلے کی پولنگ کا تناسب دوسرے مرحلے کی پولنگ سے بھی کم رہا اور مجموعی طور پر ۵۰ فیصد رائے دہندگان نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا، ڈالے جانے والے ووٹوں کی سب سے زیادہ شرح ۶۵ فیصد رہی تو سب سے کم ۲۶ فیصد، سکم میں ۶۵ فیصد، مغربی بنگال میں ۶۴ فیصد، دادرنگر حویلی اور دمن دیپ میں ۶۰ فیصد، کرناٹک میں ۵۷ فیصد، گجرات میں ۵۰ فیصد، بہار میں ۴۸ فیصد، مہاراشٹر، اترپردیش اور مدھیہ پردیش میں ۴۵-۴۵ فیصد پولنگ ہوئی۔ بتایا جاتا ہے کہ اس دن گرمی بہت تھی اور گجرات ومدھیہ پردیش میں درجہ حرارت ۴۴ ڈگری سے بھی زیادہ تھا، جب کہ اُترپردیش میں پارہ ۴۲ ڈگری تک پہنچ گیا تھا۔

تیسرے مرحلے کی پولنگ مجموعی طور پر امن رہی۔ بعض علاقوں سے نکسلیوں کی اکادکا تشدد کارروائیوں کی اطلاعات ملی ہیں اور بعض مقامات پر آپسی جھگڑوں یعنی گروہی تصادم کی خبریں بھی موصول ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں لوگوں نے الیکشن کا بائیکاٹ بھی کیا، لیکن بحیثیت مجموعی تیسرے مرحلے کی پولنگ کے دوران امن چین ہی رہا، مگر غور طلب امر یہ ہے کہ رائے دہندگان کا ذوق وشوق اور ان کی دلچسپی بدستور گھٹتی جارہی ہے۔ کیونکہ پہلے مرحلے کی پولنگ کے دوران جہاں ساٹھ فیصد ووٹ پڑے تھے وہیں دوسرے مرحلے کی پولنگ میں ڈالے جانے والے ووٹوں کی شرح کم ہوکر ۵۵ فیصد ہوگئی ہے اور اب تیسرے مرحلے کی پولنگ کے دوران پچاس فیصد ووٹ ڈالے گئے اس پر سبھوں کو سوچنا چاہئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بتائی جارہی ہے کہ اس دن گرمی بہت زیادہ تھی اور ایک دوسری وجہ یہ بتائی جارہی ہے کہ بعض حلقوں میں جو پہلے سے حساس حلقے قرار دیئے جاچکے تھے اوقات میں تخفیف بھی کی گئی تھی یعنی وہاں صبح سات بجے سے دوپہر تین بجے تک کا ہی وقت رکھا گیا تھا، لیکن یہی کل اور بنیادی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ اطلاعات یہ ہیں کہ بعض شہری علاقوں میں بہت کم ووٹ ڈالے گئے ہیں۔ دیہی علاقوں میں بھی وہ جوش وخروش نہیں پایا جارہا ہے۔ مختلف ذرائع سے جو عوامی احساسات سامنے آئے ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی عام شکایت یہ ہے کہ ان کے نمائندے عوامی مسائل میں کم ہی دلچسپی لیتے ہیں، بجلی، پانی صحت عامہ، رسل ورسائل جیسی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کی طرف بہت کم نمائندے توجہ دیتے ہیں، عوامی نمائندے بس الیکشن کے موقعوں پر ہی عوام کے درمیان نظر آتے ہیں، پھر وہ ان کی طرف جھانک کر بھی نہیں دیکھتے، یہ بہت بنیادی شکایت ہے، اگر عوامی مسائل حل نہیں کئے گئے اور لوگوں کی بنیادی ضرورتیں پوری نہیں کی گئیں تو ان کی شکایت بڑھتی چلی جائے گی اور سسٹم پر سے ان کا اعتماد اُٹھ جائے گا۔

فیصلہ کن اقدام سے پہلے بین الاقوامی برادری کے خدشات کو دُور کرنا چاہئے

عالمی دباؤ کے باوجود سری لنکا جنگ بندی اور بین الاقوامی امدادی ایجنسیوں کو خطہ میں داخلہ نہ دینے کے فیصلے پر بدستور قائم ہے

تمل ٹائگرز شکست وناکامی سے دوچار ہوچکے ہیں جب کہ حکومت سری لنکا اعلان کررہی ہے کہ وہ اپنی فوجی پیش رفت اس وقت تک جاری رکھے گی جب تک کہ ایل ٹی ٹی اے کے لیڈر خاص طور سے اس کا سربراہ ویلوپلائی پربھاکرن زندہ یا مردہ ہاتھ نہیں آجاتا۔ سری لنکا وزارت دفاع کے سکریٹری گوتا بھایاراپاک کا کہنا ہے کہ ۳۰ سال کے بعد آخرکار وہ وقت آگیا ہے کہ پربھاکرن اور دیگر ٹائگر لیڈر زندہ یا مردہ پکڑ لئے جائیں گے۔

انہوں نے جنگ بندی کی بین الاقوامی اپیلوں کو قبل از وقت قرار دیتے ہوئے مسترد کردیا اور اعلان کیا کہ حکومت اپنی کارروائی اس وقت تک نہیں روکے گی جب تک جنگ کا خاتمہ مکمل نہیں ہوجائے گا اور ہمارا مشن پورا نہیں ہوجائے گا۔ انہوں نے برطانوی خارجہ سکریٹری ڈیوڈ ملی بینڈ اور وفد کے دوسرے ممبران کو بھی اپنے موقف سے واضح الفاظ میں باخبر کردیا ہے۔ سری لنکا کے اعلیٰ افسر راجہ پاک نے جو کہ صدر مملکت مہندرا راجہ پاک کے بھائی بھی ہیں۔ برطانوی وفد سے کہا ہے کہ اس وقت کی جنگ بندی سے صرف ٹائگر سربراہ پربھاکرن کو ہی فائدہ پہنچے گا۔ جس کے بارے میں سمجھا جارہا ہے کہ وہ جزیرہ نما سری لنکا کے شمال مشرقی ساحل پر چار مربع کلومیٹر کے محدود علاقہ میں اپنے باقی بچے جنگجوؤں کے ساتھ قیام پذیر ہے۔ اس سے پہلے اس کے بارے میں مختلف ذرائع سے اندیشہ کا اظہار کیا جارہا تھا کہ وہ خاموشی کے ساتھ سمندری راستے سے فرار ہوگیا ہے لیکن حکومت کو یقین ہے کہ ساحلوں پر سخت نگرانی کی وجہ سے ایسا نہیں ہوسکا ہے، خود پربھاکرن کے قریبی اور کامریڈان آرمز کرونا امن نے جو اس وقت حکومت کے وزیر ہیں کہا ہے کہ ایل ٹی ٹی ای کا سربراہ اور اس کے اعلیٰ سطحی معاون فرار ہونے کی پوزیشن میں ہی نہیں ہیں۔

دفاعی سکریٹری نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ سری لنکا کی افواج اور شہری جو جنگ میں بری طرح تباہی وبربادی سے دوچار ہوچکے ہیں اور حکومت ایل ٹی ٹی ای کے صفایا کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ حکومت سری لنکا جہاں گزشتہ تیس سال سے اس سنگین صورتحال سے دوچار تھی اب خود کو کامیابی کی منزل سے قریب پاکر شدت اور جارحیت کی راہ اختیار کررہی ہے۔ وہ کسی بھی قسم کے بین الاقوامی دباؤ، مشورہ یا تجویز کو قابل اعتنا تصور نہیں کررہی ہے، برسرجنگ ایل ٹی ٹی ای کے صفایا کے عزم اور عملی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ عام شہریوں کے سلسلے میں انسانی رویہ اختیار کرنے کی بات پر بھی کوئی توجہ نہیں دے رہی ہے۔ چنانچہ راجا پاک نے کہا ہے کہ انسانی بنیاد پر جس تشویش کا اظہار کیا جارہا ہے وہ بھی کچھ لوگوں کی طرف سے پربھاکرن اور اس کے اعلیٰ سطحی لیڈروں کی گلوخلاصی کے لئے ایک ڈرامہ ہے۔ اس وقت کی جنگ بندی کو ایل ٹی ٹی ای صرف از سرنو منظم ہونے کے لئے استعمال کرے گی۔ اس موقع پر برطانیہ کے خارجہ سکریٹری ڈیوڈ ملی بینڈ اور فرانس کے وزیر خارجہ برنارڈ کاؤچنر نے سری لنکا کی حکومت پر زور دیا تھا کہ وہ جنگ بندی کا آرڈر جاری کردے تاکہ جو تمل سویلین شمالی جنگی زون میں پھنسے ہوئے ہیں انہیں محفوظ مقام پر پہنچایا جاسکے۔ انہوں نے کولمبو سے بین الاقوامی امدادی ایجنسیوں کو جنگی علاقہ میں جانے کی اجازت دینے کے لئے بھی کہا تھا۔ لیکن حکومت نے نہ صرف ان کی اس اپیل کو مسترد کردیا بلکہ کولمبو میں برطانوی ہائی کمیشن پر بودھ سادھوؤں کی پارٹی نے مظاہرہ بھی کیا۔ جس کے ۲۲۵ رکنی پارلیمنٹ میں ۹ ممبر ہیں اور جو برسراقتدار اتحاد کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس تصادم میں سویلین کی اموات کے بارے میں ملی بینڈ کے سوالات کے جواب میں سری لنکا حکومت کے ذمہ داران نے کہا کہ برطانیہ کو ایل ٹی ٹی ای کی پروپیگنڈا مہم کی وجہ سے فریب میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ سکریٹری برائے دفاع نے یہ بھی کہہ دیا کہ اس وقت اس امر کا فیصلہ برطانوی وفد کو کرنا ہے کہ وہ ایک دہشت گرد گروپ کی باتوں کا یقین کرتا ہے یا ایک ذمہ دار حکومت کے بیان پر یقین کرتا ہے۔

ادھر سری لنکا کے صدر نے ایل ٹی ٹی ای کے لیڈروں سے کہا ہے کہ جن شہریوں کو انہوں نے یرغمال بنا رکھا ہے ان کو رہا کردیں اور خود کو حکومت کے حوالہ کردیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جنگی محاذ میں بھاری ہتھیار اور کمبیٹ ایدکرافٹ استعمال نہ کرنے کا فیصلہ بین الاقوامی دباؤ کی وجہ سے نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ خود حکومت کو ایل ٹی ٹی ای کے کنٹرول والے علاقہ میں شہریوں کے تحفظ کی فکر ہے۔ جہاں ایل ٹی ٹی ای پسپائی اختیار کرتی جارہی ہے صدر نے کہا ہے کہ ان کے پاس اب ہتھیار ڈالنے اور خود کو حکومت کے حوالے کرنے کا وقت کم ہی بچا ہے کیونکہ جنگ اپنے آخری مرحلہ میں پہنچ چکی ہے۔

●●

اوباما کی مسلم دنیا سے بہتر تعلقات کی خواہش

جنوری میں اپنے عہدے کا حلف اٹھانے سے پہلے امریکی صدر بارک اوباما نے اس بات کا اشارہ دیا تھا کہ باہمی مفادات اور احترام کی بنیاد پر وہ مسلم دنیا سے نئے تعلقات استوار کرنے کے خواہش مند ہوں گے۔ عہدہ سنبھالنے کے بعد انہوں نے جو فیصلے کئے ہیں اُن میں ایک سال کے اندر اندر گوانتاناموبے کے حراستی مرکز کو بند کرنا اور تفتیش کے سخت طریقوں پر بندش عائد کرنا شامل ہیں، جن کا مسلم دنیا میں خیرمقدم کیا گیا ہے۔ تاہم تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ تعلقات میں بہتری کا دارومدار اسرائیل اور فلسطینیوں کو امن معاہدے پر رضامند کرنے پر ہے۔ اپنے دور صدارت کے آغاز میں ہی مسٹر اوباما مسلم دنیا کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے اپریل میں ترکی کے پارلیمان سے خطاب کیا۔ اُن کا کہنا تھا کہ ”امریکہ اسلام کے خلاف نہیں لڑرہا، نہ کبھی ایسا کرسکتا ہے۔ بش انتظامیہ کے لب ولہجے سے موازنہ کرتے ہوئے مبصرین نے اس تقریر کو ایک ڈرامائی تبدیلی قرار دیا۔ عہدہ سنبھالنے والے دن سے ہی تبدیلی کے واضح آثار سامنے آئے۔ صدر اوباما کے افتتاحی کلمات کہ: ہم مسلمان دنیا کے ساتھ نئی پیش رفت چاہتے ہیں، جس کی بنیاد ایک دوسرے کے مفادات اور باہمی احترام پر ہو۔

پھر یہ کہ صدر کے طور مسٹر اوباما نے اپنا پہلا انٹرویو ایک عرب نیٹ ورک العربیہ کو دیا۔ ڈیوڈ سدھارتا پاٹیل، کورنیل یونیورسٹی میں مشرق وسطیٰ کی سیاست کے معاون پروفیسر ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں میں: ”بہت سے عرب تجزیہ کار جس طرح سے انٹرویو پر تبصرہ کررہے ہیں کہ وہ ایسی پرامن اسلامی تنظیموں کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو مسلح ملیشیاؤں سے قابل قدر طور پر علیحدہ کرلیا ہے۔ لیکن کچھ امریکی مسلمان اسے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ حقیقی تبدیلی آسکتی ہے۔ ابراہیم ہوپر کونسل برائے امریکی اسلامی تعلقات کے رابطے کے ڈائریکٹر ہیں۔ اُن کے الفاظ میں ”خطابت کی حد تک تو ٹھیک بات ہے لیکن ہم بین الاقوامی اور اندرونی ملک عملی اقدامات کے منتظر ہیں، تاکہ پالیسیوں میں تبدیلی آئے جن کی رو سے امریکی مسلمانوں اور دنیا کے مسلمانوں کی زندگیوں پر نمایاں اثر آئے۔“

عہدہ سنبھالنے کے سودنوں کے اندر اندر، صدر نے ایسی پالیسیاں وضع کرلی ہیں جو براہ راست مسلم دنیا پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ انتظامی حکم نامے پر دستخط کے ذریعہ، انہوں نے گوانتاناموبے کے قیدخانے کو ایک سال کے اندر بند کرنے اور تفتیش کے سخت ترین طریقوں پر پابندی لگادی ہے۔ وائٹ ہاؤس نے اعلان کیا کہ جوہری پروگرام کے سلسلے میں وہ ایران سے مذاکرات پر تیار ہے، جو کہ بش انتظامیہ کی پالیسی سے تجاوز ہے۔ عراق کے بارے میں، صدر نے کہا کہ وہ اگلے سال کے اواخر تک حملوں سے متعلق امریکی کارروائیاں ختم کرنے کے وعدے کو پورا کریں گے، اور وہ افغانستان پر توجہ کو مرکوز کرتے ہوئے امریکی افواج کی نفری بڑھائیں گے۔

لیکن مسلمانوں کے نزدیک صدر اوباما کا اصل امتحان اسرائیل فلسطین تنازعہ پر امریکی پالیسی پر ہوگا۔ صدر بش کا جھکاؤ اسرائیل کی طرف بتایا جاتا تھا، جب کہ امن مذاکرات میں کوئی خاص دلچسپی نہ لیتا تھا۔

مسٹر اوباما کی طرف سے جارج مچل کو مشرق وسطیٰ کے نمائندے کے طور پر تقرر کا عرب دنیا نے محتاط انداز میں خیرمقدم کیا۔

لیکن کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ امریکہ کی طرف سے امن بات چیت کے کردار کا دارومدار اس بات پر ہوگا کہ نئی انتظامیہ مسٹر بش کی طرف سے حماس کو مسترد کرنے کی پالیسی کو خیرباد کہنے پر کس حد تک تیار ہے۔ حماس کا گروپ غزہ پٹی میں حکمراں ہے۔ جان اسپز یو جارج ٹاؤن یونیورسٹی میں بین الاقوامی امور اور اسلامی تعلیمات کے پروفیسر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اس طرح کا طرز عمل جاری رکھا جائے گا کہ حماس کو دھارے سے ہٹا کر پرے رکھنے اور فلسطینی صدر محمود عباس کو میدان میں اُتارنے کی کوشش روا رکھی گئی تو یہ دوہرا معیار ہوگا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نہ صرف جمہوری انتخابات کو نہیں مانتے بلکہ ہم اُس حکومت کو تسلیم کرتے ہیں جس پر ہماری اپنی مہر ثبت ہو۔ اُمید ہے اوباما اس راہ پر نہیں چل پڑیں گے۔ اسرائیل حماس کے ساتھ معاملات طے کرنے سے انکار کرتا ہے، کیونکہ وہ اسرائیلی ریاست کو تسلیم نہیں کرتی۔ گزشتہ ہفتے وزیر خارجہ کلنٹن نے حکمہ فلسطینی اتفاق رائے پر مبنی حکومت کے قیام کے لئے امریکی آپشن کھلا رکھنے سے متعلق استفسار کیا، جس میں حماس شامل ہو، جس بات پر امریکہ کے اسرائیل نواز قانون ساز برہم ہوئے۔ وائٹ ہاؤس نے اسرائیلی، فلسطینی اور مصری رہنماؤں کو مذاکرات کی دعوت دی ہے۔ فریقین کو دوریاستی حل کی طرف گامزن کرنے کی امریکی انتظامیہ کی صلاحیت کی بنا پر مسلمان دنیا میں امریکہ کی ساکھ میں اضافہ ہوگا۔

●●

بنیادی اصولوں کا تعین وتحفظ ضروری ہے

بھارتیہ جنتا پارٹی کے اناڑی لیڈر ورن گاندھی مسلمانوں کے خلاف نفرت اور اشتعال پھیلاتے پھیلاتے اب ”بھگوان رام“ بن بیٹھے ہیں۔ بھارت کی اکثریت کس مذہب یا دھرم کی پیروکار ہے یہ تعین کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ عملاً تو یہی دیکھا جارہا ہے کہ ان کے دھرم کا خود غرض لوگوں نے جس قدر استحصال وپامال کیا ہے شاید ہی دنیا میں کسی مذہب کا اتنا کیا گیا ہوا۔ اپنے اپنے مفادات کے تحت ہر شخص من مانی تشریح وتعریف کرتا ہے اور اس کی آستھا قرار دیتا ہے۔ دھارمک گروؤں نے بھی اوارواد، وستاروادیا رواداری دکھلاپن کے نام پر ہر شخص کو من مانی کرنے کا کھلا اختیار دے دیا ہے جس کی وجہ سے اس دھرم کی شکل ناقابل شناخت ہوچکی ہے۔ ہر شخص کو حق واختیار حاصل ہے کہ جس چیز یا کام کو چاہے اپنے لئے دھرم قرار دے۔ اور جس چیز یا کام کو چاہے دھرم سے خارج کر کے مسترد کردے۔ ایسے میں میل ٹوڈے کے نمائندہ پی لیش سری واستو کا ورن گاندھی کو خبطی یا بے لگام قرار دینا کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ یہ طبقہ تو اس بنیاد پر مسلمانوں کی بنیاد پرستی اور کٹرپنتھی کی گالی دیتے یا طنز کرتا رہتا ہے کہ مسلمان اپنے دین کے بنیادی اصولوں، عقائد وتعلیمات اور احکام پر چاہے عمل نہ کریں ماننے کی حد تک ضرور پابند ہیں اور ان کا انکار کرنے یا ان سے روگردانی کرنے والوں کو اسلام سے خارج کردیتے اور فتوے لگادیتے ہیں۔ ہندو تو جو چاہے مانے اور جس کا چاہے انکار کرے حتی کہ اگر وہ پنڈت جواہر لال نہرو ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر یا سکھوں اور جینیوں اور بودھوں کی طرح ہندو نہ ہونے کا بھی اعلان کرے تو بھی ہندو ہی رہے گا اس کو ہندو دھرم سے خارج نہیں کیا جائے گا البتہ سیاسی مفادات اور ضروریات کے تحت کسی حکومت یا پارٹی کو ہندو دشمن ضرور قرار دے دیا جائے گا۔ ہاں مسلمانوں اور دوسرے اقلیتی طبقات کے خلاف اشتعال انگیزی اور نفرت کی زہرافشانی تو ہندوتو کی بنیاد ہے کہ اس سے ہندوتو کی پہچان ہوتی ہے اور اس سے اس کو غذا وتوانائی حاصل ہوتی ہے۔

میل ٹوڈے (۳۰ر اپریل) کے مطابق پیلی بھیت سے متنازعہ بی جے پی امیدوار ورن گاندھی نے متنازع بیان میں ایک اور قدم آگے بڑھاتے ہوئے خود کو ”شری رام“ قرار دیا ہے۔ علی گڑھ کے ایچ بی انٹرکالج میں ایک انتخابی ریلی کو خطاب کے دوران جب لوگوں نے ان سے ”جے شری رام“ کا نعرہ لگانے کے لئے کہا تو انہوں نے خود اپنی جانب اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا ”میں ہی تو شری رام ہوں“ اخبار کے نمائندہ کا کہنا ہے کہ یہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی زبان سے بلاقصد یہ نکل گیا کیونکہ انہوں نے یہ بات کئی بار کہی۔ کہا جاتا ہے کہ گیتا کے مطابق مہابھارت کے دوران شری کرشن جی نے ارجن کو نصیحت کرتے ہوئے یقین دلایا تھا کہ میں ہی بھگوان یا ایشور ہوں۔ میں نے ہی اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔ میں ہی مارتا اور جلاتا ہوں سب کچھ میرے اختیار میں ہے اور میں ہی سب کرتا ہوں۔ یوں بھی ان کے یہاں دیوی دیوتاؤں کے نام سے چھوٹے بڑے سب کو موسوم کیا جاتا ہے۔ یقینی بات ہے ورون گاندھی نے یہ سب کچھ پڑھا سنا اور ٹی وی سیریلوں یا ویڈیو فلموں، کیسٹوں وغیرہ میں دیکھا ہوگا۔ وہ ہندو دھرم کی روایات وتعلیمات اور سبھیتا وسنسکرتی سے بھی واقف ہوں گے۔ اس لئے انہوں نے بھی بزعم خود بھگوان رام ہونے کا تصور اپنے دل ودماغ میں پال لیا ہوگا۔ نمائندہ کے مطابق انہوں نے یہ بھی کہا کہ کہنے کے لئے تو ان کے پاس بہت کچھ ہے لیکن وہ زیادہ کچھ اس لئے نہیں کہہ رہے ہیں کہ وہ پھر سے جیل جانا نہیں چاہتے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جیل کوئی بری جگہ ہے لیکن وہاں جانا اچھا نہیں ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے دو روز قبل ہی سینہ تان کر بڑے جوش کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ وہ ہندوتو کے لئے پھر سے جیل جانے کو تیار ہیں۔

یاد رہے کہ ورون گاندھی کو اقلیتوں کے خلاف زہرآلود ریمارکس کی وجہ سے ۲۰ دن تک ایٹہ جیل میں رہنا پڑا تھا۔ جب بی جے پی ہمیشہ ہی رام اور ہندوتو کے ایجنڈے پر اپنے سیاسی وجود کی بنیاد رکھتی ہے اور اب جب کہ اس کے لیڈروں نے پورے اُترپردیش میں پارٹی کے لئے انتخابی مہم چلانے کی ذمہ داری ورون گاندھی کو دے دی ہے۔ وہ خود کو کرشن جی سے بھی آگے بڑھ کر رام چندر سے بھی بڑا قرار دینے لگے ہیں، پارٹی کا سب سے بڑا ہیرو خود کو سمجھ ہی بیٹھے ہیں۔ بی جے پی کے لیڈران کے اس دعویٰ پر کوئی بھی ردعمل ظاہر کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں لیکن معلوم ہوا ہے کہ اجودھیا میں دھرم گروؤں اور اپوزیشن پارٹیوں کے لیڈروں نے اس پر سخت ردعمل ظاہر کیا ہے۔ اجودھیا سریوکنڈ کے مہنت جگل کشور شاشتی نے کہا ہے کہ کوئی راکشس ہی ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ وہ رام ہے ورن تو کوئی اچھا آدمی بھی نہیں ہے وہ بھگوان کیسے ہوسکتا ہے؟ رام نے سماج میں نفرت نہیں پھیلائی وہ یہ سب کچھ کہہ کر بھگوان کی توہین کررہا ہے۔ اجودھیا میں رام جنم بھومی کے پجاری ستیندر رداس نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ ورن خود کو بھگوان رام سمجھتا ہے چونکہ بی جے پی اسے آگے بڑھا رہی ہے اس لئے میرا مشورہ وشو ہندو پریشد اور آر ایس ایس کو یہ ہے کہ وہ اجودھیا کے شری رام کو فراموش کردیں اور دہلی میں ایک مندر بنا کر اس میں ورون کی مورتی رکھ دیں اور اسے شری رام مندر کہہ لیں۔ صرف کوئی بدکردار شخص ہی ایسی باتیں کہہ سکتا ہے یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ بی جے پی اس پر توجہ دے رہی ہے۔

ریاستی بی ایس پی صدر سوامی پرساد موریہ کا کہنا ہے کہ ورون کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے بی جے پی نے اس کو اتنی اہمیت دے دی ہے کہ وہ جلد ہی خود کو دھرم ہی قرار دینے لگے گا۔ اطلاع کے مطابق ورون نے میرٹھ کے انتخابی جلسہ میں کہا کہ ممبئی میں ۲۶ر نومبر کو ہونے والے حملہ میں زندہ بچ جانے والے اجمل قصاب کی تواضع آرتھر روڈ جیل میں تندوری چکن سے کی جارہی ہے جب کہ انہیں ایٹہ جیل میں صرف لوکی کھانے کو دی گئی۔ اس ملک میں ورن گاندھی کو نیشنل سیکیورٹی ایکٹ کے تحت جیل میں بند کیا جاتا ہے اور ایٹہ جیل میں لوکی کھانے کو دی جاتی ہے۔ جب کہ قصاب کو تندوری چکن دیا جاتا ہے اور اس کو محض آئی پی سی کے تحت بند کیا جاتا ہے۔ اجودھیا کے مہنتوں، پجاریوں اور میل ٹوڈے کے نمائندہ سے صرف یہی کہنا مناسب ہوگا کہ دھرم گرنتھوں کی اصل حیثیت کو بحال کرنے، دھرم کی اصل شکل کے تحفظ اور اس کی کوئی واضح تعبیر، تعریف وتشریح کے بغیر دھرم کے بارے میں اس طرح اوٹ پٹانگ باتیں کہنے اور اس کا استحصال کرنے سے نہیں روکا جاسکے گا۔ ضروری ہے کہ لوگ اس کی اصل بنیادوں احکام وتعلیمات کا پتہ لگائیں اور ان کو اصل شکل میں اختیار کریں۔

●●

ووٹنگ کی شرح میں گراوٹ

تیسرے مرحلے کی پولنگ

ریاست	۲۰۰۹ء	۲۰۰۴ء
بہار	۴۸ فیصد	۵۸ فیصد
گجرات	۵۰ فیصد	۴۵ فیصد
جموں وکشمیر	۲۵ فیصد	۱۵ فیصد
کرناٹک	۵۷ فیصد	۶۹ فیصد
مہاراشٹر	۴۴ فیصد	۴۸ فیصد
سکم	۶۵ فیصد	۷۶ فیصد
اترپردیش	۴۵ فیصد	۴۴ فیصد
مغربی بنگال	۶۴ فیصد	۷۷ فیصد
دادرنگر حویلی	۶۰ فیصد	۶۹ فیصد
دمن دیپ	۶۰ فیصد	۷۰ فیصد

فکر معاصر

ووٹوں کے فیصد میں کمی

جمہوری ہندوستان میں انتخابات ایک ایسا عمل ہوتا ہے جس میں عوام اپنے لیے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ لیکن ہر انتخابات میں یہ دیکھا جارہا ہے کہ عوام کی دلچسپی دن پر دن کم ہوتی جارہی ہے۔ جاریہ عام انتخابات میں بطور خاص یہ بات دیکھنے میں آئی کہ ہندوستان بھر میں ۵۰ تا ۵۵ فیصد لوگ ہی حق رائے دہی سے استفادہ کررہے ہیں یعنی ۴۵ تا ۵۰ فیصد لوگ اس سے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہیں کررہے ہیں۔ جاریہ انتخابات میں تو بعض جگہ ۳۰ تا ۴۰ فیصد ہی رائے دہی ہوئی یعنی یہاں ۶۰ تا ۷۰ فیصد عوام نے انتخابی عمل سے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ یہ ایک سنگین مسئلہ ہے اس پر نہایت سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ عوام کی بڑھتی ہوئی عدم دلچسپی کے اسباب کا جائزہ لیا جانا چاہیے کہ کیوں ہندوستان کے رائے دہندگان جو کبھی ۷۰ فیصد رائے دہی کیا کرتے تھے آج اپنا ووٹ استعمال کرنے سے پیچھے ہٹ رہے ہیں؟ کیا عوام کا جمہوری شعور کم ہورہا ہے؟ یا پھر عوام کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ جن نمائندوں کو منتخب کرنے کے لیے وہ پولنگ بوتھ پر لمبی لمبی قطاروں میں کھڑے رہتے ہیں وہ لوگ نمائندہ بننے کے بعد ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ عوام کی امیدوں کو پورا نہیں کرتے، ان کی ضرورتوں کی تکمیل نہیں کرتے۔ یہ بات تو بالکل صحیح ہے کہ جن نمائندوں کو یہ عوام منتخب کرتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو منتخب ہونے کے بعد کبھی ان لوگوں کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھتے۔ عام طور پر ہندوستان میں جو رائے دہی ہوتی ہے اس میں غریب، پسماندہ اور متوسط طبقہ ہی حصہ لیتا ہے۔ ایک لحاظ سے ہماری جمہوریت غریبوں کی جمہوریت بن کر رہ گئی ہے۔ امیر طبقہ رائے دہی میں حصہ نہیں لیتا۔ جو طبقہ رائے دہی میں حصہ لیتا ہے اس کی امیدیں پوری نہیں ہوتیں، وہ خط افلاس سے کم تر سطح کی زندگی گزار رہا ہے اور ہر مرتبہ اس امید سے ووٹ دیتا ہے کہ شاید اس کی روزمرہ کی زندگی میں کوئی بہتری پیدا ہو۔ یہ عام رائے دہندہ دراصل ''آس کا پنچھی'' بنا ہوا ہے۔ اس کی یہ آس حسرت میں بدل جاتی ہے لیکن یہ رائے دہندہ انتہائی سخت جان ہے، اس نے ابھی تک امید کا دامن نہیں چھوڑا اور یہ عام آدمی وہی ہے جو ہندوستان کا غریب مزدور ہے جو گھنٹوں پولنگ بوتھ پر انتظار کرکے ووٹ دیتا ہے۔ جمہوریت میں عوامی نمائندوں کو جوابدہ بنانے کا کوئی نظام نہیں ہے۔ کسی زمانے میں ماہرین قانون نے یہ بحث چھیڑی تھی کہ عوام کو اپنے منتخب کردہ نمائندے کو واپس طلب کرنے کا اختیار دیا جانا چاہیے لیکن یہ بحث بحث ہی رہی کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ جہاں تک منتخب ہونے والے نمائندوں کا تعلق ہے وہ یقین رکھتے ہیں کہ انتخابات جیتنے کے بعد انہیں کوئی خطرہ نہیں ہے اور وہ آرام کے ساتھ اپنی میعاد پوری کرسکتے ہیں۔ عوام کی بڑھتی ہوئی ناامیدی اور بیشتر عوامی نمائندوں کی روزافزوں عدم دلچسپی نے ہماری جمہوریت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ سوال یہ بھی ہے کہ وہ لوگ جو ووٹ کا استعمال نہیں کرتے ان کو کس زمرے میں رکھا جائے؟ یقیناً وہ ہندوستانی باشندے ہیں لیکن کیوں انہوں نے جمہوریت کے ایک بنیادی تقاضے یعنی حق رائے دہی سے استفادہ نہیں کیا؟ ان سے جواب طلب کرنے کا بھی کوئی قانون نہیں ہے۔ دونوں طرف کسی بھی قسم کی قانونی پابندی نہ ہونے کی وجہ سے بھی صورت حال ابتر ہوتی جارہی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ووٹ استعمال کرنے کو قانوناً لازمی قرار دیا جائے؟ شاید دستوری طور پر ایسا کرنا بے حد مشکل ہوگا۔ لیکن اس مسئلے کا جائزہ ضرور لیا جاسکتا ہے۔ اگر عوام کو اپنے نمائندے کو واپس طلب کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو عوامی نمائندے زیادہ ذمے داری سے کام کریں گے۔ ووٹ دراصل عوامی نمائندے پر عوام کا ایک قرض ہوتا ہے۔ جب تک قرض ادا نہیں ہوتا عوامی نمائندہ مقروض رہتا ہے لیکن اس بات کا تعلق عوامی منتخبہ نمائندوں کی فرض شناسی سے ہے جمہوریت میں رفتہ رفتہ اس کی اصل روح یا جذبہ ختم ہوتا جارہا ہے۔

(منصف، حیدرآباد)

تیزابی بارشیں: کرہ ارض پر زندگی کو شدید خطرات لاحق

فردوس برہان

اس کا سب سے زیادہ نقصان براہ راست یا بالواسطہ انسانی صحت کو ہورہا ہے۔ ۱۹۸۵ء میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام ہونے والی ایک آگاہی کانفرنس New میں بھی واضح طور پر تیزابی بارشوں کا ذکر ہے اور خطرہ ظاہر کیا گیا ہے کہ تیزابی بارشوں سے جنوبی ایشیا سمیت دنیا کے بہت سے زرخیز علاقے اور یہاں پر موجود جنگلات اور حیات شدید خطرے میں ہیں لیکن تب سے آج تک اس سنگینی سے نمٹنے کے لئے کچھ نہیں کیا گیا۔

کبھی آپ نے سوچا ہے کہ آج سے ۲۵-۳۰ سال قبل جب بارش ہوتی تھی تو نہ صرف زرعی کھیتوں بلکہ شہروں کے اندر بڑے گراؤنڈز اور پارکوں میں ہر طرف اچانک مینڈک نکل آتے اور خوب ٹرانے لگتے۔ درختوں اور چبوتروں پر انواع و اقسام کے پرندے دکھائی دیتے تھے۔ جن میں سے بعض انتہائی چھوٹے سائز کی رنگ برنگ چڑیاں ہوتی تھیں جہاں کہیں سبزہ اور پھول ہوتے انواع و اقسام کی، تتلیاں دکھائی دیتی تھیں۔ رات کے وقت جگنو ایک انوکھا منظر پیش کرتے تھے۔ شام کے دھند لکے پھیلتے ہی بجلی کے تاروں پر لاتعداد پرندے آکے بیٹھتے اور سحر پھٹتے ہی وہ طرح طرح کی بولیاں بولتے لیکن آج اس منظر کو کیا ہوا؟

وہ سب مینڈک چھوٹے چھوٹے پرندے کہاں چلے گئے۔ باقی وجوہ کے علاوہ اس کا ایک جواب جو سائنس دیتی ہے وہ ''تیزابی بارشیں'' ہیں۔ یہ ایسی بارشیں ہیں جو فضا میں پھیلی آلودگی کو اپنے ساتھ زمین میں تہہ نشین کردیتی ہیں۔ گویا ان بارشوں میں کثافتوں کی غیر معمولی مقدار شامل ہوتی ہے اور اس سے پودوں، آبی حیات اور انفراسٹرکچر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ تیزابی بارشوں میں قدرت سے زیادہ انسان کا اپنا عمل دخل ہے۔

صنعتوں کے فضلاء جات اور گیسوں کے اخراج ان کا بڑا منبع ہے۔ ان صنعتوں کے نقصان دہ اثرات میں سلفر اور نائٹروجن سب سے اہم ہیں جو کھلی فضا میں باہمی تامل کرکے تیزابوں کو پیدا کرتے ہیں۔ فضائی آلودگی سے متعلق کچھ عرصہ سے اقوام عالم نے سوچنا تو شروع کیا ہے لیکن ابھی ان کے کنٹرول میں اتنی شدومد سے کام نہیں لیا جارہا جتنی تیزی سے تیزابی بارشیں کرہ ارض کی حیات کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔ تیزابی بارش ایک معروف اصطلاح ہے لیکن اس کا تعلق صرف پانی کی بوندوں پر مبنی بارش سے نہیں ہے بلکہ برفباری، ژالہ باری کہر، دھند، شبنم اور خشک تیزابی اجزاء بھی اس زمرے میں آتے ہیں۔ اس طرح اگر تیزابی بارش کو ''تیزاب کا گودام'' کہا جائے تو زیادہ قرین قیاس ہوگا۔ آب معطر (ڈسٹل واٹر) جس میں کوئی کاربن ڈائی آکسائیڈ نہیں ہوتی کی قدرتی PH-7 ہوتی ہے۔ اس طرح ۷ پی ایچ سے کم شرح والے محلول تیزابی (Acidic) کہلاتے ہیں اور جن کی PH-7 سے زائد ہوتی ہے۔ وہ اساس (Bases) کہلاتے ہیں۔ صاف یا غیر آلودہ بارش بھی معمولی سی تیزابی ہے۔ اس کی PH5.2 کے قریب ہوتی ہے کیونکہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اور پانی فضا میں باہمی تامل کرکے کاربانک ایسڈ میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ جو ایک کمزور تیزاب ہے۔ (آب معطر میں اس کی PH.5.6 ہوتی ہے) تاہم اس غیر آلودہ بارش میں دوسرے بہت سے کیمیائی اجزا شامل ہوتے ہیں۔ مثلاً ڈائی ہائیڈروآکسائیڈ جب کاربن ڈائی آکسائیڈ کے ساتھ مل کرملتی ہے تو ڈائی ہائیڈروکاربن ٹیٹرا آکسائیڈ بن جاتی ہے۔

H2o (1)+Co2(g).....H2Co3(aq)

کرہ ارض کی حالیہ تاریخ میں جب سے صنعتی انقلاب آیا ہے تب سے فضا میں سلفر ڈائی آکسائیڈ اور نائٹروجن آکسائیڈ کا اخراج بڑھ گیا ہے۔ ۱۸۵۲ء میں رابرٹ اینگس سمتھ پہلا شخص تھا جس نے مانچسٹر میں تیزابی بارش اور ماحولیاتی آلودگی کی طرف دوسرے لوگوں کی توجہ مبذول کرائی۔ اس لحاظ سے کہا جاتا ہے ہ تیزابی بارش ۱۸۵۲ میں دریافت ہوئی تاہم ۱۹۶۰ء کی دہائی تک صنعتی ملکوں اور نہ ہی دوسری دنیا نے اس طرف توجہ دی۔ یہاں تک کہ سائنسداں بھی آنکھیں بند کئے بیٹھے رہے اور انہوں نے بھی ان فنومینا کو سنگھالنے کی کوشش نہ کی۔ پھر ۱۹۷۲ء میں تیزابی بارش کی اصطلاح عام ہونا شروع ہوئی۔ جب کینیڈین ہیرلڈ ہاروے نے ایک ''مردہ'' جھیل پر ریسرچ کی۔ امریکہ میں تیزابی بارش کے متعلق عوامی سطح پر ۱۹۷۰ء کی دہائی میں سوچ پروان چڑھی جب نیویارک ٹائمز نے نیوہمشائر میں واقع ہیرڈبروک ایکسپرمنٹل فاریسٹ سے متعلق رپورٹیں شائع کیں اور ماحولیاتی آلودگی کے مضر اثرات منظر عام پر آئے۔

کبھی کبھار صنعتی علاقوں میں بارش اور دھند کے پانی کی PH انتہائی کم یعنی ۲،۴ جو سرکے کی تیزابیت کے برابر ہے رپورٹ ہوتی ہے۔ صنعتی تیزاب والی بارش یورپ، چین، روس اور ان سے ملحقہ ان علاقوں میں جہاں ان ممالک سے ہوائیں جاتی ہیں اچھی خاصی مشکلات پیدا کررہی ہیں۔ ان علاقوں میں گندھک ملے کوئلے کو حرارت اور بجلی پیدا کرنے کے لئے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ تیزابی بارش کا مسئلہ نہ صرف آبادی اور صنعتوں میں اضافے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے بلکہ ان حربوں سے بھی بڑھ کر اور معاملات ہیں۔ مقامی سطح پر آلودگی کو کم رکھنے کے لئے دھواں چھوڑنے والی بلند وبالا چمنیوں کا استعمال بھی تیزابی بارشوں کی ایک بڑی وجہ ہے کیونکہ ان چمنیوں کی وجہ سے تیزابی گیسیں بالائی فضا میں داخل ہوکر پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ اکثر اوقات ان علاقوں میں جہاں ان ہواؤں کا رُخ ہوتا ہے آلودگی زیادہ ہوتی ہے حالانکہ ایسے علاقوں میں مقامی طور پر ایسی گیسوں کا اخراج نہیں ہورہا ہوتا یا بہت کم ہوتا ہے۔ ایسا فنومینا عموماً پہاڑی علاقوں میں دیکھا گیا ہے۔ جہاں پہنچ کر ہوائیں ٹکراتی ہیں اور بارش بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی مثال اسکینڈے نیویا کا علاقہ ہے۔ جہاں بارش کی PH انتہائی کم دیکھنے میں آتی ہے۔ تیزابیت پیدا کرنے والی سب سے اہم گیس سلفر ڈائی آکسائیڈ ہے۔ نائٹروجن آکسائیڈز جو کہ نائیٹرک ایسڈ میں تبدیلی کے لئے آکسی ڈائزڈ ہیں بھی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ سلفر ملے مرکبات کے اخراج پر انتہائی سخت کنٹرول نافذ ہے۔

(S) TG 70 سالانہ سلفر ڈائی آکسائیڈ نامیاتی ایندھن اور انڈسٹری سے پیدا ہوتی ہے 8.8Tg(s) جنگلوں میں آتشزدگی اور T-8Tg(S) سالانہ آتش فشانوں سے خارج ہوتی ہے۔

تیزابی گیسوں کی پیدائش میں بعض قدرتی عوامل بھی پیش پیش ہیں۔ قدرت کے ان اصولوں سے ٹکرانا یا انہیں ماحولیاتی آلودگی میں دخل اندازی سے روکنا تو انسان کے بس میں نہیں ہے۔ ایسی زہریلی گیسوں کو چھوڑنے والے قدرتی عوامل میں آتش فشاں، حیاتیاتی عوامل جو زمین، گیلی زمین اور سمندروں میں روپذیر ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا حیاتیاتی ذریعہ جو گندھک ملے مرکبات کا حامل ہے۔ وہ ڈائی میتھائل سلفائیڈ ہے کرہ ارض کے دور دراز علاقوں میں ہزاروں سال پرانے گلیشیئروں کی برف میں بھی تیزابی اجزا پائے گئے ہیں۔

اس سارے عمل کا جائزہ لینے کے بعد پھر بھی سائنسدانوں کے خیال میں تیزابی بارش کی بنیادی وجہ انسانی ذرائع سے پیدا ہونے والے سلفر اور نائٹروجن کے کمپاؤنڈز ہیں۔ جن میں بجلی پیدا کرنے والی تنصیبات، فیکٹریاں اور گاڑیاں شامل ہیں۔ کوئلے سے بجلی پیدا کرنے والے یونٹ بھی آلودگی پھیلانے کا ایک بڑا منبع ہیں۔ گیس فضاء میں سینکڑوں میل سفر طے کرنے کے بعد تیزابوں اور دوسرے نقصان دہ مرکبات میں تبدیل ہوتی ہے ماضی میں فیکٹریوں کی چمنیاں چھوٹی ہوتی تھیں جن سے گیسوں کے اخراج نے مقامی سطح پر خطرناک اثرات مرتب کرنا شروع کردیئے پھر ان چمنیوں کو مزید لمبا کردیا گیا۔ ایسی چمنیوں سے نکلنے والے دھوئیں نے بالائی سطح پر فضا کو آلودہ کردیا جس سے وسیع وعریض علاقے ان کی لپیٹ میں آگئے ہیں اس سے اتنے ہی زیادہ حیاتیاتی نقصان شروع ہوگئے۔

مائع فضا میں موجودہ حالت میں تیزاب کے ہوا میں موجود نمی کے ساتھ عمل کر کے ٹھوس ذرات بن جاتے ہیں جن کو (Precipitation) کہتے ہیں اور جب بارش یا برف باری ہوتی ہے تو یہ ذرات زمین پر واپس آجاتے ہیں اور آلودگی کے باعث بن جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ تیزاب خشک حالت میں زمین کی اوپر کی سطح پر جمع ہوتا رہتا ہے یا پودوں کے پتوں پر یا دوسری کسی جگہ پر جمع رہتا ہے۔ اس حالت میں تیزاب تقریباً ۲۰ سے ۶۰ فیصد تک ماحول میں موجود ہوتا ہے۔ تیزابی بارشوں کے نقصانات جنگلوں، پانی کے ذخائر اور زمین کی سطح پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ زمین کی سطح پر تیزاب کی موجودگی سے حشرات الارض کی کئی اقسام ناپید ہوگئیں۔ کئی خطرات میں گھر چکی ہیں۔ اس طرح پانی کے اندر ہونے والے جانوروں کی زندگیاں بھی خطرے میں پڑ چکی ہیں۔ ان کی ایک مثال آئے روز دنیا کے ساحلوں پر سینکڑوں کی تعداد میں اجتماعی طور پر مرنے والے آبی جانوروں کی ہے۔

اس کا سب سے زیادہ نقصان براہ راست یا بالواسطہ انسانی صحت کو ہورہا ہے۔ ۱۹۸۵ء میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام ہونے والی ایک آگاہی کانفرنس New میں بھی واضح طور پر تیزابی بارشوں کا ذکر ہے اور خطرہ ظاہر کیا گیا ہے کہ تیزابی بارشوں سے جنوبی ایشیا سمیت دنیا کے بہت سے زرخیز علاقے اور یہاں پر موجود جنگلات اور حیات شدید خطرے میں ہیں لیکن تب سے آج تک اس سنگینی سے نمٹنے کے لئے کچھ نہیں کیا گیا۔

تیزابی بارش کی وجہ سے پانی کا پی ایچ لیول کم ہوجاتا ہے اور اس میں المونیم کی مقدار زیادہ ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے پانی میں موجود مچھلیوں اور دوسرے آبی جانداروں کی زندگی کو کافی نقصان ہوتا ہے اگر پانی میں پی ایچ PH کی مقدار ۵ سے کم ہے تو اس قسم کے تیزابی پانی میں مچھلیاں انڈے نہیں دیتیں اور اگر انڈے دے بھی دیں تو ان میں سے بچے نہیں نکلتے۔ پی ایچ کے کم ہونے کی وجہ سے بہت سی بڑی مچھلیاں مرجاتی ہیں۔ اسی طرح سے اگر پانی بہت زیادہ تیزابی ہے تو پھر آبی جانداروں کی بہت سی اقسام ختم ہوجاتی ہیں۔ تیزابی بارش کی وجہ سے بہت سے حشرات اور مچھلیوں کی کچھ خاص اقسام جن میں بروک ٹراؤٹ شامل ہیں کچھ آبی حیات ندیوں اور پانی کے چھوٹے چھوٹے نالوں سے ختم ہوگئی ہیں۔ جیسے کہ امریکہ کا پہاڑی علاقہ ریڈ آئرن ڈیک۔ یہ تیزابی بارشیں ندی نالوں کو کسی حد تک تیزابی بناتی ہیں اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ اردگرد سے جو پانی ان جھیلوں اور ندی نالوں میں گرتا ہے وہ کس حد تک تیزابی ہے۔ امریکہ میں ماحولیاتی تحفظ کی ایک انجمن کے سروے کے مطابق تیزابی بارش ۷۵ فیصد تک جھیلوں اور ۵۰ فیصد تک ندیوں کو تیزابی بناتی ہے۔

تیزابی بارش کی وجہ سے زمین کی بائیالوجی اور کیمسٹری میں بھی کافی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جو زمین کی زرخیزی کے لئے خطرناک ثابت ہوئی ہیں۔ زمین میں موجود چھوٹے چھوٹے بیکٹریا کم PH کو برداشت نہیں کرسکتے اور ختم ہوجاتے ہیں۔ تیزابی بارش کے اندر موجود ہائیڈروجیم آئن جس کو (H+) سے ظاہر کرتے ہیں زمین کے اندر موجود میگنیشیئم (Megneshium) کے ذرات کے ساتھ عمل کرکے اس کو مائع حالت میں تبدیل کردیتے ہیں اور اگر یہ پانی بہہ رہا ہے تو اس زمین سے کیلشیئم اور میگنیشیئم کی مقدار کافی حد تک کم ہوجاتی ہے اور زمین کی زرخیزی متاثر ہوتی ہے۔ تیزابی بارش کی وجہ سے زمین کی سطح تو متاثر ہوتی ہی ہے لیکن بہت زیادہ بلندی پر پائے جانے والے جنگلات بھی اس سے بہت زیادہ متاثر ہورہے ہیں کیونکہ بلندی پر ہونے کی وجہ سے یہ جنگلات ہر وقت بادلوں سے گھرے رہتے ہیں جن میں دنیا بھر سے تیزاب اکٹھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ماحول جنگلات کے لئے تیزابی بارش سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو رہا ہے۔ جنگل میں موجود دوسرے چھوٹے قد کے پودے بھی اس بارش سے متاثر ہورہے ہیں۔ فصلوں پر اس کے اثرات اس وجہ سے کم ہوتے ہیں کیونکہ موجودہ دور میں زمین کا باقاعدہ ٹیسٹ کراکر اس میں نمکیاں جو تبدیلی ہوتی ہے ان کو چونے یا مختلف قسم کی کھادوں سے پورا کردیا جاتا ہے۔ لیکن جب علاقوں میں کھیتی باڑی کو سائنسی اصولوں پر استوار نہیں کیا گیا وہاں کی زمینیں بنجر ہورہی ہیں اور کسان نقل مکانی پر مجبور ہیں۔

زرعی زمین میں چونے کا پاؤڈر اس کے لئے شامل کیا جاتا ہے تاکہ زمین کی تیزابی حالت کو ایک خاص حد تک قائم رکھا جاسکے۔ لیکن یہ ترکیب ایک ویران علاقے یا جنگلات وغیرہ پر استعمال نہیں کی جاسکتی کیونکہ ایک تو رقبہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ اس پر اخراجات بہت زیادہ آئیں گے۔ یہ تیزابی بارش جب سرخ صنوبر کے پتوں پر پڑتی ہے تو ان سے کیلشیئم اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے درخت میں پائیوں میں کیلشیئم کی مقدار کم ہوجاتی ہے اور پھر یہ درخت سردی کو برداشت نہیں کرپاتے اور جوں ان کے پتے پھٹ جاتے ہیں یا درخت ہی مرجاتے ہیں۔

انسانی صحت پر تیزابی بارش کے انتہائی گہرے اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ سائنسدانوں کا یہ کہنا ہے کہ تیزابی بارش انسانی صحت پر بہت زیادہ اور جلد اثر کرتی ہے جب تیزابی بارش ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں سلفر ڈائی آکسائیڈ اور نائٹروجن ڈائی آکسائیڈ کے بہت چھوٹے چھوٹے سے ذرات بن جاتے ہیں جو مختلف قسم کی بیماریوں کو پھیلاتے ہیں وقت سے پہلے اموات کا باعث بنتے ہیں اور کینسر کو پھیلانے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ عمارتیں اور دوسرا انفراسٹرکچر بھی تیزابی بارشوں سے محفوظ نہیں ہے اور انہیں بھی شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔ تاریخی یادگاریں بھی اس کے زہریلے اثرات سے محفوظ نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بارش کے پانی میں موجود سلفیورک ایسڈ ان یادگاروں پر لگے پتھروں میں موجود کیلشیئم کے ساتھ کیمیائی عمل کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں جپسم بن جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ مندیل پتھر ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں یا ان میں دراڑیں آجاتی ہیں۔ ان کی عام مثال قبروں پر لگے کتبے ہیں جو کہ تیزابی بارش کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں اور کئی سالوں بعد پر لکھی عبادت کو بھی پڑھنا مشکل ہوجاتا ہے۔

تیزابی بارش کی وجہ سے ہوا میں موجود آکسیجن لوہے کے ساتھ بہت تیزی سے عمل کرتی ہے۔ تیزابی بارش کی وجہ سے فضا میں سلفیٹ اور نائٹریٹ کے ذرات بنتے ہیں جن کی وجہ سے بارش کے دوران دور تک یا بہت کم فاصلے تک دیکھنے میں بھی مشکل پیش آتی ہے۔ جن علاقوں میں تیزابی بارش کے اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ ان میں یورپ کا بہت بڑا علاقہ خاص کر اسکینڈے نیویا جس کی بہت سی جھیلیں تیزابی بارش کی وجہ سے آبی حیات سے خالی ہوگئی ہیں اور بہت سے پودوں اور درختوں کی اقسام ناپید ہوگئی ہیں۔

امریکہ کی بہت سی ریاستیں خاص کر نیویارک پر اس کے بہت برے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ جنوب مغربی کینیڈا کے بہت سے علاقے چین کا جنوب مشرقی علاقہ اور تائیوان کے کئی علاقے ہیں مستقبل میں جو علاقے متاثر ہوسکتے ہیں ان میں جنوبی ایشیاء انڈونیشیا، ملائشیا اور تھائی لینڈ وغیرہ شامل ہیں۔ مغربی جنوبی افریقہ، جنوبی بھارت اور سری لنکا مغربی افریقہ جن میں گھانا ٹوگو اور نائیجریا کے علاقے شامل ہیں۔ تیزابی بارشوں کے کرہ ارض پر مضر اثرات سے نمٹنے کے لئے احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔ امریکہ میں اب بہت سے ایسے پلانٹ جو پہلے کوئلے سے چلتے تھے وہ اب میتول گیس ڈی سلفر ڈائی زیشن (FG1) استعمال کرتے ہیں تاکہ جلنے کے عمل کے دوران جو سلفر والی گیس پیدا ہوتی ہیں ان کو الگ کیا جاسکے یا ختم کیا جاسکے۔ (FG1) کی ایک مثال ویٹ سکریہ ہے۔ کئی دوسرے ممالک میں استعمال کیا جاتا ہے Wet Scruleler ایک مینار کی طرح ہوتا ہے۔ جس پر ایک پنکھا لگا ہوتا ہم بالکل اس طرح جیسے کہ ہمارے ہاں (ایگزاسٹ فین) استعمال کئے جاتے ہیں۔ جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ پاور پلانٹ سے گرم گیسیں کھینچ کر باہر دھکیلتا ہے۔

اس مینار کے اندر چونا یا چونے کے پتھر رکھے جاتے ہیں۔ جو ان گرم گیسوں کے ساتھ کیمیائی عمل کر کے (ان میں موجود سلفر ڈائی آکسائیڈ کے ساتھ تامل کرتے ہیں) چونے کے پتھر کی کیلشیم کاربونیٹ نیوٹرل کیلشیم شیفٹ میں تبدیل ہوجاتی ہے، جس کو بعد میں اس سکلریر سے نکال لیا جاتا ہے۔ کچھ علاقوں میں کیمیکل کمپنیوں کو سلفیٹ جپسم کی شکل میں فروخت بھی کیا جاتا ہے یہ اس صورت میں کیا جاتا ہے جب کیلشیئم سلفیٹ بہت خالص حالت میں پیدا ہوتا ہے۔ تیزابی بارش کے اثرات کئی سالوں تک قائم رہتے ہیں کیونکہ جب فضا کی اور پانی کی PH تبدیل ہوجاتی ہے تو پھر اس کی وجہ سے بہت سے حشرات اور مچھلیاں اور بہت سے جانداروں کی اقسام ناپید ہوجاتی ہیں نہ صرف یہ بلکہ ماحول کو اس کی اصل حالت میں لانے کے لئے جو کوششیں کی جاتی ہیں ان میں بھی بہت مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عالمی سطح پر مسئلے کے سدباب کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ ان تمام مسائل کو ختم کرنے کے لئے جو کہ تیزابی بارش سے پیدا ہوتے ہیں۔ عالمی سطح پر بہت سے ادارے کام کررہے ہیں۔ جن میں Sulphur Emission Rduction Protocol Under The Convertion on Long Range Transbaundary air pollution قابل ذکر ہیں۔ تاہم کئی کوششیں محض اس لئے ناکام ہورہی ہیں کہ بڑے صنعتی ممالک بالخصوص امریکہ اپنی صنعتوں کے حوالے سے آلودگی کم کرنے پر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کررہا ہے۔ ●●

مسلمان ووٹ بینک کی پالیسی جاری ہے

عدیل اختر

وزیر داخلہ پی چدمبرم پر ایک سکھ صحافی کے جوتے نے اس بات کو ثابت کردیا ہے کہ سیاست میں جوتم پیزاری کی بھی اہمیت ہے۔ سیاسی جماعتیں جوتے کی زبان زیادہ آسانی سے سمجھ سکتی ہیں۔ کانگریس نے سکھ مخالف فسادات کے دو ملزموں کو ٹکٹ دے کر سکھوں کے جذبات کو مجروح کیا تھا۔ ان جذبات کا اندازہ اور ان کے احترام کا احساس اسے تبھی ہوا جب جوتا چلایا گیا۔ چنانچہ کلیان سنگھ کو سماجوادی پارٹی کے ذریعے دولہا بنائے جانے سے مسلمانوں کے جذبات کس قدر مجروح ہورہے ہیں، اس کا اندازہ بھی ملائم سنگھ اور امر سنگھ کو شاید تبھی ہوگا جب کسی طرف سے جوتا اچھالا جائے گا۔ ابھی تو کچھ لوگ ان کی جوتیاں سیدھی کرنے میں ہی لگے ہوئے ہیں اس لئے اصل صورت حال کچھ واضح نہیں ہے۔

کلیان سنگھ اور جگدیش ٹائٹلر و سجن کمار کا معاملہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے تقریبا ایک جیسا ہی ہے۔ لیکن کیفیت کے اعتبار سے کلیان سنگھ کا معاملہ زیادہ نازک اور حساس ہے۔ سکھ مخالف فسادات کو پچیس سال ہوچکے ہیں، جگدیش ٹائٹلر اور سجن کمار پر اس میں ملوث ہونے کا صرف الزام ہے، یہ الزام ابھی کسی عدالت میں ثابت نہیں ہوا ہے اور انہیں قانون نے ابھی مجرم قرار نہیں دیا ہے۔ سکھ مخالف فسادات ایک وزیر اعظم اور پارٹی لیڈر کے قتل کے ردعمل میں برپا ہوئے۔ یہ ایک سیاسی جماعت کا انتقام تھا۔ اس سیاسی جماعت کے موجودہ وزیر اعظم پارلیمنٹ میں اس کے لئے آنسو بہا کر اس پر اپنے دکھ اور افسوس کا اظہار کرچکے ہیں۔ ان کے ذریعہ نہ صرف اپنی پارٹی، بلکہ حکومت اور پوری قوم کی طرف سے سکھ فرقے سے معافی مانگی جاچکی ہے۔ اس فساد کا شکار ہوئے لوگوں کی بازآبادکاری کے لئے ایک سے زائد منصوبوں پر عمل ہوچکا ہے۔ ایک بڑی خطیر رقم کا پیکج موجودہ حکومت نے بھی دیا ہے۔ یعنی ان فسادات سے ہونے والے نقصان اور تکلیف کے احساس کو کم کرنے کے اقدامات کے باوجود سکھ فرقے کے جذبات ٹھنڈے نہیں ہوئے ہیں اور ان جذبات کو نظر انداز کرنے کی غلطی کا احساس کانگریس پارٹی کو پھر ہوگیا ہے۔

اس کے برعکس بابری مسجد کا معاملہ خالص ایک مذہبی معاملہ ہے، یہ براہ راست کسی سیاسی کشمکش کا معاملہ نہیں تھا، یہ مسلمانوں کے کسی انتہائی اقدام کا ردعمل نہیں تھا، یہ ابھی صرف ۱۶ سال پہلے کی ہی بات ہے۔ کلیان سنگھ اس وقت کوئی عام سیاسی کارکن نہیں تھا، وہ پارٹی کا اہم لیڈر تھا، ریاست کا وزیر اعلیٰ تھا، اس نے قوم اور قومی اداروں کو مسجد کے تحفظ کی یقین دہانی کرائی تھی، مسجد کو مسمار کرنے میں اس کی حصہ داری صرف ایک بالائی احساس اور نظری الزام نہیں ہے، بلکہ ایک ثابت شدہ جرم ہے۔ عدالت اسے اس پر علامتی سزا بھی دے چکی ہے۔ بابری مسجد کو منہدم کرنے پر یا اس کے بعد مسلمانوں کے قتل عام پر کسی سیاسی جماعت یا حکومت کی طرف سے معافی نہیں مانگی گئی ہے، کسی اہم عہدیدار نے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ابھی تک کوئی سنجیدہ اور بامعنی قدم نہیں اٹھایا ہے۔

جگدیش ٹائٹلر و سجن کمار اور کلیان سنگھ کے معاملے میں کیفیت کے اس عظیم فرق کے باوجود سماج وادی پارٹی اور اس کے قائدین مسلمانوں سے یہ توقع کررہے ہیں کہ وہ کلیان سنگھ فیکٹر کو نظر انداز کردیں۔ کلیان سنگھ کی زبان بدل جانے کو اس کا تائب ہونا مان لیں اور یہ توبہ قبول کرلیں۔ مسلمانوں سے یہ توقع اور ان کو یہ ترغیب بجائے خود ایک جسارت اور جرم ہے۔ لیکن یہ جرم تبھی ثابت ہوگا جب مسلمان اس کا احساس کرائیں گے۔ اور اگر مسلمان ملائم سنگھ اور امر سنگھ کی بات مان لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے لئے کلیان سنگھ فیکٹر، سکھوں کے نزدیک ٹائٹلر، سجن کمار فیکٹر سے بھی حقیر اور معمولی ہے اور مسلمانوں کے مذہبی یا قومی جذبات کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔

اس تقابلی تناظر میں دیکھا جائے تو موجودہ انتخابات اور کلیان سنگھ فیکٹر نہ صرف سماج وادی پارٹی کا مستقبل اور تقدیر طے کریں گے، بلکہ خود مسلمانوں کے سیاسی وزن کو بھی فکس کریں گے۔ سماج وادی پارٹی کلیان سنگھ معاملے میں اس وقت ایک امتحان میں ہے، اور اس حوالے سے مسلم رائے دہندگان کی بھی یہ ایک سیاسی آزمائش ہے۔ اس میں ایک کی کامیابی دوسرے کی ہار ہوگی۔ سماج وادی پارٹی کے سینئر لیڈر محمد اعظم خاں نے اس معاملے میں ایک دوٹوک موقف اختیار کرکے دونوں کو کانٹے پر کھڑا کردیا ہے۔ اعظم خاں، بقول اپنے، ''خالص ایک سیاسی آدمی'' ہیں۔ اور سیاسی آدمی اپنے سیاسی مفادات اور مسائل کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے۔ اس کے اصول بھی اس کے سیاسی مقاصد سے وابستہ ہوتے ہیں اور اس کا موقف ایک سیاسی موقف ہوتا ہے۔ اس لئے اعظم خاں نے کلیان سنگھ کو ایک ایشو بنایا ہے تو یہ ان کا ایک خالص سیاسی موقف ہی ہوسکتا ہے اور اسے اختیار کرنے میں ان کے ذاتی سیاسی مسائل مضمر ہیں۔ تاہم ان کا یہ سیاسی موقف ملک کی سیاست میں مسلمانوں

باقی صفحہ ۸ پر

ایرانی صدر کی حقیقت بیانی سے سپر پاور پریشان؟

محمد احمد کاظمی

ظالم کے گھر میں جا کر اسے دنیا کے سامنے ظالم ثابت کرنا اور وہ بھی ایسے حالات میں جب اس کا تعلق تمام دنیاوی طاقتوں سے ہو، یہ صرف خدا پر بھروسے اور ایمان کی طاقت کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ ایران کے صدر محمود احمدی نژاد نے گزشتہ دنوں سوئٹزر لینڈ کی راجدھانی جنیوا میں اقوام متحدہ کی جانب سے منعقدہ نسل پرستی مخالف کانفرنس کے دوران کہا کہ دنیا میں اسرائیل کی بدترین نسل پرست ملک کے قیام کی بنیاد یورپ کی بدترین نسل پرستی کی تاریخ ہے۔ انہوں نے کہا کہ نسل پرستی کو ختم کرنے کے لئے مشرق وسطی سے اسرائیل کے وجود کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اس کانفرنس میں محمود احمدی نژاد نے کہا کہ خونخوار اسرائیل کے خاتمے کی کوشش کے لئے حکومتوں کی ہمت افزائی ہونی چاہیے۔ احمدی نژاد کی تقریر کے دوران احتجاج کرتے ہوئے برطانیہ، فرانس اور فن لینڈ کے نمائندے جلسہ گاہ سے باہر چلے گئے۔ اس کے باوجود احمدی نژاد نے متاثر ہوئے بغیر اپنی تقریر جاری رکھی۔ اطلاعات کے مطابق اسرائیل کے علاوہ امریکہ، کناڈا، جرمنی، آسٹریلیا، اٹلی، نیدر لینڈ، نیوزی لینڈ اور پولینڈ نے پہلے سے ہی نسل پرستی مخالف کانفرنس کا بائیکاٹ کیا ہوا تھا۔ ایران کے صدر احمدی نژاد نے مغربی حکومتوں کی دوغلی پالیسی کی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ اظہار خیال کی آزادی کی نام نہاد وکالت کرنے والے ممالک آخر لوگوں کے خیالات سننے کو تیار کیوں نہیں ہیں؟

فلسطین کی سرزمین پر قابض اسرائیلی حکومت نے سوئٹزر لینڈ میں اپنے سفیر ایلان ایلگر کو نسل پرستی مخالف کانفرنس کی میزبانی کرنے اور وہاں کے صدر ہنس رودولف میرز کے ایران کے صدر محمود احمدی نژاد سے ملنے پر احتجاج کرتے ہوئے واپس بلا لیا ہے۔ ادھر یہودیوں کے زیر اثر میڈیا نے احمدی نژاد کی یہ کہتے ہوئے اس جلسے سے پہلے ہی نکتہ چینی شروع کر دی تھی کہ وہ ہولوکاسٹ کے منکر ہیں۔ صیہونی ہولوکاسٹ اس واقعہ کو کہتے ہیں جس میں مبینہ طور پر جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر نے بڑی تعداد میں یہودیوں کا قتل کیا تھا۔ اس کے بعد ہی یورپ اور امریکہ نے صیہونی یہودیوں کی فلسطین پر قبضہ کر کے اسرائیل کے قیام میں بھرپور مدد کی تھی۔

ایران کے صدر احمدی نژاد نے اب سے پہلے بھی اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے یہ موضوع اٹھایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اول تو یہ کہ ہولوکاسٹ واقعہ کی تحقیق ہونی چاہیے کہ اس کی کیا حقیقت تھی۔ اسرائیل اور مغربی ممالک میں ہولوکاسٹ واقعہ کی تحقیق پر پابندی ہے۔ ایران کے صدر احمدی نژاد کا کہنا ہے کہ آج کی تعلیم یافتہ دنیا میں جب کہ اللہ کے وجود پر بھی تحقیق کی جاسکتی ہے تو آخر ہالوکاسٹ واقعہ کی تحقیق پر کیوں پابندی ہے۔ حقائق جاننے کی کوشش علم میں اضافہ کا سبب ہوتی ہے۔ احمدی نژاد دوسری بات یہ کہتے ہیں کہ اگر جرمنی کے حکمراں ہٹلر کے ذریعہ یہودی مخالف ہولوکاسٹ واقعہ حقیقت پر مبنی بھی ہوتو بھی آخر یورپ کے ذریعہ کئے گئے یہودیوں پر مظالم کا خمیازہ فلسطینی بے گناہ کیوں بھگتیں؟ آخر عیسائیوں کے ذریعہ کئے گئے گناہوں کا بوجھ مسلمان اپنے سر پر کیوں رکھیں؟

ایران کے صدر احمدی نژاد نے نسل پرستی مخالف کانفرنس کا موقع مناسب سمجھتے ہوئے مغربی ممالک کے دوغلے پن پر حملہ کرتے ہوئے کہا کہ آخر آزادی بیان اور آزادی خیال کی وکالت کرنے والے ممالک دوسروں کے نظریات سننے اور حقائق پر بحث سے کیوں کتراتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد یہودیوں پر ہونے والے مظالم کے بہانے صیہونیوں نے اپنے آقاؤں کی مدد سے فلسطین پر فوجی حملہ کر کے پوری قوم کو بے گھر کر دیا۔ انہوں نے یورپ، امریکہ اور دنیا کے دوسرے حصوں سے یہودیوں کو مقبوضہ فلسطین میں منتقل کیا اور بدترین نسل پرست حکومت قائم کی جو مسلسل بے گناہوں کے قتل میں ملوث ہے۔ انہوں نے کہا کہ یورپ میں نسل پرستی کے واقعات کے معاوضہ کے طور پر فلسطین پر قابض نسل پرست حکومت قائم کی گئی۔ اس سے بھی زیادہ افسوس ناک یہ ہے کہ متعدد مغربی حکومتوں اور امریکہ نے ظالم اسرائیل کی امداد کرتے رہنے کا عہد کر لیا جبکہ دنیا کے امن پسند، بیدار اور باضمیر لوگ غزہ میں بے گناہ شہریوں پر ہونے والی بمباری سمیت اسرائیلی مظالم کی شدید مذمت کرتے ہیں۔

ایران کے صدر احمدی نژاد نے امریکہ اور اس کے دوست ممالک کے ذریعہ افغانستان اور عراق پر کئے گئے حملوں کی وجوہ پر بھی بحث کی۔ انہوں نے کہا کہ عراق پر کئے گئے حملے کی اصل وجہ امریکہ کی اپنے رعب و دبدبہ میں اضافہ کرنے کی خواہش، ہتھیار بنانے والی کمپنیوں کو فائدہ پہنچانا اور اسرائیل کے خلاف کسی بھی مسلم ملک کی جانب سے ممکنہ خطرہ کو ختم کرنا تھا۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کا عراق پر قبضہ کرنے کا مقصد وہاں کے قدرتی وسائل خاص طور پر تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنا تھا۔ انہوں نے بین الاقوامی برادری سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ آخر عراق میں اب تک تقریباً دس لاکھ لوگوں کا قتل کیوں کیا گیا؟ ان کے علاوہ لاکھوں لوگ زخمی اور بے گھر ہوئے جب کہ بڑی تعداد میں لوگ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ ایران کے صدر احمدی نژاد نے سوال کیا کہ کیا عراق پر حملے کا پروگرام صیہونیوں اور ان کے امریکہ حکومت میں شامل دوستوں نے نہیں بنایا؟

افغانستان میں بھی جنگ کے دوران منشیات کی پیداوار میں غیر معمولی اضافے پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے صدر احمدی نژاد نے کہا کہ آخر امریکہ اور اس کے دوست ملکوں کی کیا ذمہ داری تھی؟ کیا ان ممالک کی عوام نے اپنی حکومتوں کو دوسرے ممالک کے خلاف جنگیں کر کے تباہ کرنے کی اجازت دے رکھی ہے؟ بین الاقوامی سطح پر موجودہ مالی بحران کے لئے بھی صدر احمدی نژاد نے امریکہ کو ہی مورد الزام قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس بحران کی شروعات افریقہ یا ایشیا میں نہیں بلکہ امریکہ سے ہوئی ہے۔ جنیوا میں نسل پرستی مخالف کانفرنس سے واپس آنے کے بعد بھی ایران کے صدر احمدی نژاد نے ایک جلسہ عام کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انسانیت کے تحفظ کے لئے صیہونیت کا بت (اسرائیل) پاش پاش کر دیا جائے گا۔

انہوں نے مزید کہا کہ آزاد قومیں صیہونیت کے بت کے آگے نہیں جھکیں گی اور پہلے سے ہی کمزور اس بت کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ دنیا بھر میں ایران کے ساتھ ہمدردی کے جذبات میں اضافہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایران کا اسلامی انقلاب پوری دنیا تک پہنچ گیا ہے اور امریکہ اور یورپ کے کئی ممالک نے بھی صیہونیت کو شکست دینے پر غور کرنا شروع کر دیا ہے جو ایران کے موقف کی تائید ہے۔ اب دنیا کی آزاد قوموں اور حکومتوں کو یہ غور کرنا ہوگا کہ کیا ایسے میں جبکہ امریکہ شدید مالی بحران میں مبتلا ہونے کے بعد عراق اور افغانستان میں ناکامی کے بعد فوجیں واپس بلانے کی بات کر رہا ہے ان کی خاموشی مناسب ہے؟

دوسری طرف جبکہ اسرائیل ۲۰۰۶ء میں حزب اللہ سے شکست کھا چکا ہے اور ۲۰۰۸ء میں غزہ سے حماس کو باہر نکالنے میں ناکام ہو چکا ہے، کیا اس کی نام نہاد دفاعی قوت سے خوفزدہ رہ کر خاموش رہنا درست ہے؟ ایران کے صدر احمدی نژاد کی جنیوا میں ہوئی تقریر کے بعد امریکہ اور اسرائیل کے کمزور ردعمل سے یہ بھی ظاہر ہوگیا ہے کہ وہ اب کتنے کمزور ہو چکے ہیں۔ امریکی صدر اوباما کو ایران سے براہ راست بات کرنے کی وکالت کر رہے ہیں۔ ماہرین کا سمجھنا ہے کہ اب دنیا میں مظالم کا خاتمہ ہونے اور حالات معتدل کرنے کا وقت آگیا ہے۔ طاقت کا توازن ہی دنیا کو معمول کے حالات پر بحال کر سکتا ہے۔ (میڈیا اسٹار)

نہر سویز

انسانی ہاتھوں کی غیر معمولی تخلیق

میر بابر مشتاق

یہ پہلا موقع تھا تاریخ کا پہلا موقع۔ جب مسلمانوں اور عیسائیوں کی مذہبی سروس مشترکہ طور پر منعقد کی جارہی تھی۔ دس برس قبل پورٹ سعید ریت کی محض ایک پٹی تھی۔ ایک بندرگاہ کے علاوہ ویئر ہاؤس اور فیکٹریاں بھی موجود تھیں اور ان کے درمیان نائٹ کلب اور کیسینو وغیرہ بھی موجود تھے۔

اس مقام پر دنیا کے عظیم حکمراں نہر سویز کی افتتاح کی تقریب میں شرکت کے لئے موجود تھے۔ بلکہ ایوجن، آسٹریا کا شہنشاہ، پرشیا کا ولی عہد، ہالینڈ کا شہزادہ اور تمام یورپ کی معروف شخصیات بھی موجود تھیں، ساحل پر خیمے نصب تھے۔ عیسائی اور مسلمان خدا سے دعا گو تھے کہ وہ اُن پر اپنا رحم فرمائے۔

اگرچہ وائسرائے اسماعیل عملی طور پر دیوالیہ ہو چکا تھا لیکن اس نے تقریب کے اہتمام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ لیسپنر کے لئے یہ فتح کی گھڑی تھی۔ اس کی عمر ۶۵ برس تھی اور گزشتہ پندرہ برسوں سے جب سے اسماعیل کے چچا نے نہر سویز کی ذمہ داری سونپی تھی، اس نے اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کے لئے بہت سی مشکلات کا سامنا کیا تھا۔ اب یہ عظیم شاہکار مکمل ہو چکا تھا۔ یہ سربراہی اس کو شہنشاہ کی کشتی میں سوار ہو کر انجام دینی تھی جس کا نام ایل ایگل تھا۔

۱۷ر نومبر کو ایل ایگل پورٹ سعید میں آہستہ آہستہ رواں دواں تھی۔ نہر سویز کی تعمیر کے تمام برسوں کے دوران ایوجن نے لیسپنر کی بے پناہ حمایت جاری رکھی جو اس کی والدہ کی جانب سے دور پرے کا رشتے دار تھا اور دنیا کی نظریں ان جہازوں کے اس قافلے پر لگی ہوئی تھیں اور فرانس کا وقار داؤ پر لگا ہوا تھا۔ وہ اچانک شکوک وشبہات میں مبتلا ہو چکی تھیں کہ کوئی سانحہ نہ پیش آجائے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ اپنے کیبن میں بند ہو چکی تھی، اس کے کیبن کے دروازے کے باہر سے لیسپنر نے اس کی سسکیوں کی آوازیں سنی تھیں۔ اس نے بعد میں بتایا کہ یہ فرانس کی حب الوطنی تھی جو اس کے دل کی گہرائیوں سے اُٹھ رہی تھی۔

ایل۔ ایگل بخوبی اور بحفاظت اسماعیلیہ پہنچ چکی تھی۔ ہزاروں افراد تالیاں پیٹ رہے تھے۔ اس مقام پر وائسرائے نے اس تقریب کے لئے ایک محل تعمیر کروایا تھا اور قصبے کے باہر ۲۵,۰۰۰ عرب بھی موجود تھے۔ تین روز بعد جہازوں کی ایک قطار نہر سویز کی طرف بڑھی۔ یہ مقام کسی دور میں نہایت غیر اہم دیہات تھا لیکن اب اس کی تقدیر بدل چکی تھی اور شاہی کشتی ایل۔ ایگل کے کپتان نے مابعد اپنی لاگ بک میں اپنے تاثرات قلم بند کئے اور لیسپنر اور ملکہ نے بھی اس پر دستخط ثبت کئے۔

کارہائے نمایاں اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ جہاز نہر سویز کے راستے شمال کی جانب محو سفر ہو چکے تھے۔ ملکہ بھی واپس فرانس روانہ ہو چکی تھی جہاں پر جنگ اور جلاوطنی اس کی منتظر تھی۔ لیسپنر جو کہ عمر رسیدہ رنڈوا تھا۔ اس نے ایک نوجوان لڑکی سے شادی رچائی تھی۔ (اس بیوی سے اس کے ہاں ۱۲ بچوں نے جنم لیا تھا) وہ اپنے دن مبارک باد کے ٹیلی گرام پڑھنے میں گزارتا تھا۔ یہ ٹیلی گرام اسے دنیا بھر سے وصول ہو رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی جدوجہد، ان تھک جدوجہد کے برسوں پر بھی نظر ڈالتا رہتا تھا۔

بطور ایک نوجوان۔ جوش، جذبے اور ولولے کا حامل، ذہین اور جفاکش، اس نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے باپ جیسا ہی پیشہ اپنایا تھا۔ اس نے فرانسیسی کونسل سروس میں خدمات سرانجام دی تھیں۔ ۱۸۳۰ء میں وہ الیگزینڈریا میں وائس کونسل تھا کہ نہر سویز کا منصوبہ (اس منصوبے کی تجویز نپولین کے ماہرین نے ۳۰ برس قبل پیش کی تھی) اس کو سونپ دیا گیا۔ لیسپنر ایک تصوراتی ذہن کا حامل تھا۔

فی حال نہر سویز کا منصوبہ قابل عمل دکھائی نہ دیتا تھا مگر قسمت لیسپنر کے مستقبل کی کامیابی کی بنیاد رکھ رہی تھی۔ وہ انجینئر تھا اور نہ ہی سرمایہ کار، لیکن اس کا دوست موجود تھا۔ یہ دوست وائسرائے محمد علی کا تیرہ برس کا بیٹا تھا۔ برسوں بعد یہی نوجوان تخت نشین ہوا تھا۔ ۱۸۴۹ء تک لیسپنر اپنے کیریئر سے وابستہ رہا مگر مابعد وہ مستعفی ہوگیا۔ اس کے بعد پانچ برس تک نہر سویز کا منصوبہ اس کے ذہن میں گردش کرتا رہا۔ تب ۱۸۵۴ء میں مصر کا آخری وائسرائے بھی موت سے ہمکنار ہوا، تو محمد سعید نے تخت سنبھال لیا۔

لیسپنر نے فوراً مصر روانہ ہونے کی تیاری شروع کردی تا کہ اپنے دوست کو بہ نفس نفیس مبارک باد پیش کر سکے۔ اس نے محمد سعید سے یہ رعایت بھی حاصل کرلی کہ وہ ایک بین الاقوامی کمپنی تشکیل دے گا جو نہر سویز کی تعمیر کا کام سرانجام دے گی۔

اس کے بعد لیسپنر نے جوش، جذبے اور ولولے کے ساتھ کام کا آغاز کیا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ اس کی راہ میں مالی اور سیاسی رکاوٹیں آئیں گی۔ پہلے اس نے منصوبے کے فنی پہلو کو زیر غور رکھا۔ اس نے اس سے پیشتر اس طرز کے اُن منصوبوں کو زیر غور رکھا جو پایہ تکمیل کو پہنچ چکے تھے۔ اس کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ نہر سویز کا منصوبہ ایک قابل عمل منصوبہ تھا۔ لیکن کیا ماہرین اس کے ساتھ اتفاق کریں گے؟

سال کے اختتام سے قبل لیسپنر سروے سرانجام دینے میں مصروف تھا۔ وائسرائے نے اسے تین فرانسیسی انجینئر مستعار دیئے تھے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس ۹۰ اونٹ بھی تھے۔ ان میں تین اونٹوں پر پانی لدا ہوا تھا۔ دو ماہ بعد بالآخر فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تھی اور یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ نہر کی تعمیر ممکن ہے۔ اس کے بعد پہلی سیاسی رکاوٹ منظر عام پر آئی ترکی کے سلطان سے منصوبے کی منظوری درکار تھی کیونکہ مصر اس کے برائے نام فرماں رواں میں تھا اور برطانوی سفیر نے ترکی کے سلطان پر بے پناہ دباؤ ڈالا تھا کہ وہ اس کی منظوری سے انکار کردے۔ برطانیہ کے سفیر کا نام لارڈ اسٹاٹ فورلڈ کلف تھا۔ لہٰذا لیسپنر فوراً انگلستان روانہ ہوا۔

لندن میں اس نے حکام سے بات کی۔ اس سلسلے میں کئی اعتراضات اٹھائے گئے، ان میں یہ اعتراض بھی شامل تھا کہ ہندستان کی جانب نیا مختصر راستہ برطانیہ کے مخالفین کے زیر اثر بھی آسکتا ہے تین برس تک یہ معاملہ زیر التوا رہا۔ اس دوران لیسپنر نے اپنی توجہ بڑے مسئلے کی جانب مبذول کئے رکھی۔ ترکی کے سلطان کی منظوری کے بغیر بین الاقوامی سرمایہ کاروں کی توجہ مبذول کروانا ممکن تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ سعید بھی اپنی عطا کردہ رعایت واپس لے لیتا۔ اب ہر چیز برطانیہ پر انحصار کرتی دکھائی دیتی تھی، لیکن برطانیہ کا نکتہ نظر کس طرح تبدیل کیا جائے؟

برطانیہ اپنا نکتہ نظر تبدیل کرتا نظر آتا تھا، لہٰذا لیسپنر نے انگریز عوام کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے لیکچر ٹور کئے۔ کاروباری افراد کے ساتھ انٹرویو سرانجام دیئے اور ہر وہ پروپیگنڈا کیا جو وہ کرسکتا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ وہ کامیابی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ بہت سے لوگوں نے اس منصوبے میں دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد لیسپنر نے ترکی کے ساتھ زبانی معاہدہ کیا۔ اس کے علاوہ

باقی صفحہ ۸ پر

صدر اوباما کے اقتدار میں پہلے سودن اور سابق صدور کا تاریخی پس منظر

صدر اوباما کے عہد صدارت کے پہلے سودن مکمل ہو چکے ہیں۔ پہلے سودن کی اہمیت کی تاریخ صدر فرینکلن روزویلٹ کے عہد صدارت تک جاتی ہے۔

فرینکلن روزویلٹ نے ایسے وقت میں صدارت کا عہدہ سنبھالا جب ۱۹۳۳ء کی عظیم کساد بازاری عروج پر تھی۔ ان کی پہلی ترجیح یہ تھی کہ لوگوں کو اچھے دنوں کی نوید دی جائے۔ صدر فرینکلن نے کہا تھا "آپ لوگوں کو حوصلہ سے کام لینا چاہئے افواہوں اور قیاس آرائیوں کو غالب نہ آنے دیجئے۔ آیئے ہم سب متحد ہوکر خوف اور وسوسوں سے چھٹکارا حاصل کرلیں۔"

روزویلٹ کو اپنی بات کہنے کا ڈھنگ خوب آتا تھا۔ وہ پہلے صدر تھے، جنہوں نے عوامی حمایت حاصل کرنے کے لئے ریڈیو کو موثر طریقے سے استعمال کیا۔ روزویلٹ کے قانون ساز کے پروگرام کا مقصد معیشت کو بحال کرنا تھا۔ انہوں نے اپنے فیصلہ کن انداز قیادت سے یہ مثال قائم کی کہ نئے صدر کو عہدہ سنبھالنے کے پہلے سو دنوں میں کس طرح حالات پر قابو پانا چاہئے۔ بعض دوسرے صدور کو بھی پہلے سودنوں میں داخلی اور خارجہ پالیسی کے شعبوں میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۹۶۱ء میں صدر جان ایف کینیڈی نے Bay of Pigs کے ناکام حملے کی ذمہ داری قبول کی۔ یہ حملہ امریکی امداد سے کیوبا کے جلا وطن لوگوں نے فیڈل کاسترو کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے کیا تھا۔ صدر کینیڈی عالمی سیاست میں ناتجربہ کار تھے اور انہیں اپنی صدارت کے شروع میں ہی یہ سیاسی ہزیمت اٹھانی پڑی۔

صدر بارک اوباما کو اپنے عہدِ صدارت کے پہلے سودنوں میں انتہائی خراب اقتصادی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک لحاظ سے مسٹر اوباما نے اپنے ابتدائی دنوں میں فرینکلن روزویلٹ کا انداز اختیار کیا ہے۔ انہوں نے عوام کو بیک وقت آج کے تلخ حقائق سے آگاہ کیا ہے اور اچھے دنوں کی امید بھی دلائی ہے "ہماری مشکلات ابھی ختم نہیں ہوئیں۔ لیکن ہم اب اس مرحلے میں پہنچ گئے ہیں کہ پہلی بار ہمیں امید کی کرن نظر آنے لگی ہے۔"

صحافی اور سیاسی ماہرین آج کل مسٹر اوباما کے عہدِ صدارت کے پہلے سودنوں کا جائزہ لینے میں مصروف ہیں اگر چہ ان میں سے بہت سے یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ سو دنوں کی یوں کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔

Brookings institution کے Stephen Hess کہتے ہیں کہ ہر صدر کی کارکردگی جانچنے کا یہ اچھا طریقہ ہے تاریخی اعتبار سے نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ نئے صدر نے اپنے کام کا آغاز کس طرح کیا ہے۔

سیاسی تجزیہ کار Stuart Rothenberg کہتے ہیں کہ صدر اوباما کی شروع کی مقبولیت کی وجہ جواب تک جاری ہے یہ ہے کہ انہوں ووٹروں کو یقین دلا دیا ہے کہ وہ ملک کے اقتصادی مسائل سے نبرد آزما ہونے کو تیار ہیں، آپ کو یہ بات ماننی پڑے گی کہ انہوں نے امریکی عوام میں ایک نیا جذبہ بیدار کردیا ہے ان میں یہ احساس پیدا کردیا ہے کہ حکومت معیشت کو بحال کرنے کے لئے کوشش کررہی ہے۔ وہ لوگوں کے مسائل کو سمجھتی ہے اور عملی اقدامات کررہی ہے۔

حزب اختلاف کے ریپبلکنز نے صدر پر الزام لگایا ہے کہ وہ بائیں بازو کے ایجنڈے پر عمل کررہے ہیں۔ انہوں نے انتباہ کیا ہے کہ ان کی حکومت کے کثیر اخراجات کے منصوبوں سے قومی قرض میں زبردست اضافہ ہوجائے گا۔

ریپبلکنز کو یہ شکایت بھی ہے کہ اوباما نے اپنی انتخابی مہم کا یہ وعدہ پورا نہیں کیا ہے کہ وہ واشنگٹن کا سیاسی لب ولہجہ تبدیل کریں گے اور حزب اختلاف کو ساتھ لے کر چلیں گے۔ اگلے سودنوں میں اور اس کے بعد کے عرصے میں شکایت مزید نمایاں ہوسکتی ہے جب صدر صحت کی دیکھ بھال میں اصلاحات اور توانائی میں خود مختاری حاصل کرنے کے سیاسی طور پر اختلافی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

Brookings Institution کے ماہر Stephen Hess کہتے ہیں کہ مسٹر اوباما کو شروع کے دنوں میں اپنے ایجنڈے کے زیادہ سے زیادہ حصے پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ تاکہ انہیں آج کل جو سیاسی طاقت حاصل ہے وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ صدر کو جتنی مقبولیت منتخب ہونے کے بعد کے ابتدائی دنوں میں حاصل ہوتی ہے اتنی پھر کبھی نہیں ملتی۔ چنانچہ صدر کو اپنی مقبولیت کے اس دور میں زیادہ سے زیادہ کام کر لینے چاہئیں۔

صدر اوباما کو اپنے عہد صدارت کے پہلے سودنوں میں عوام کی ٹھوس حمایت حاصل ہے۔ نیویارک ٹائمز اور CBS نیوز کے رائے عامہ کے جائزے کے مطابق ان کی مقبولیت کی شرح ۶۸ فیصد ہے جب کہ واشنگٹن پوسٹ اور ABC نیوز کے جائزے کے مطابق ۶۹ فیصد لوگ انہیں پسند کرتے ہیں۔ ●●

خطوط ومسائل

تخلیق ارضی کے متعلق بگ بانگ کا نظریہ درست نہیں

دعوت اخبار مورخہ ۲۲ر اپریل ۲۰۰۹ء کے صفحہ ۲ پر پروفیسر جہاں آرا لطفی صاحبہ کا مضمون "قرآن کریم میں کائنات کے اسرار ورموز" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ یہ پورا مضمون نظریہ بگ بانگ کو قرآن کریم کی آیت ۳۰ سورۂ انبیاء پارہ ۱۷، رکوع ۳ کے ساتھ تطبیق پر مشتمل ہے۔ غالباً یہ بات انہوں نے ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب کی تقریر سے حاصل کی ہے کیونکہ وہ ہی نظریہ بگ بانگ کو قرآن کی اس آیت سے تطبیق اپنی تقریر میں فرماتے ہیں جب کہ قرآنی آیت کی تطبیق سے اس نظریہ کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ ہم پہلے تو غور کرلیں کہ نظریہ بگ بانگ کیا ہے۔ تخلیق ارضی کے بارے میں بگ بانگ نظریہ یہ ہے کہ زمین سورج ہی کا ایک حصہ تھی ایک دھماکہ کے ذریعہ وہ سورج سے جدا ہوئی اور پھر ہزاروں سال میں ٹھنڈی ہوکر اس قابل ہوئی کہ زندگی کے آثار اس پر ممکن ہوں۔ مولانا آزاد نے اپنے مقدمہ ترجمان القرآن میں ص ۵۸ شائع شدہ ناشر زمزم کمپنی لاہور میں اس نظریہ کی تفصیل درج ذیل طریقہ پر دی ہے۔ "جب ہمارا یہ کرہ سورج سے ملتہب کرنے سے الگ ہوا تھا نہیں معلوم کتنی مدت اس کے معتدل اور ٹھنڈے ہونے میں گزر گئی اور اس کی سطح پر نشوونما کی سب سے پہلی داغ بیل پڑی پھر نہیں معلوم کتنی مدت کے بعد زندگی کا وہ اولین بیج وجود میں آیا جسے پروٹو پلازم کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر حیات عضوی کے نشوونما کا دور شروع ہوا اور نہیں معلوم کتنی مدت اس پر گزر گئی کہ اس دور نے بسیط سے مرکب تک اور ادنی سے اعلیٰ درجے کی ترقی کی منزلیں طے کیں یہاں تک کہ حیوانات کی ابتدائی کڑیاں ظہور میں آئیں۔" اب نظریہ تخلیق کائنات کے بارے میں قرآن کریم کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔ (۱) پارہ ۲۳، رکوع ۴، سورہ یسین آیت ۱۸۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا تو کہتا ہے کہ ہوجا بس وہ ہوجاتا ہے۔ (کن فیکون) (۲) پارہ: ۱۱، رکوع ۶، سورۂ ہود، آیت: ۷۔ "بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر قائم ہوا عرش پر۔" (۳) پارہ ۱۲، رکوع: ۱، سورہ ہود، آیت ۷ "وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں اور تھا اس کا تخت پانی پر۔" (۴) پارہ ۱۹، رکوع ۳، سورہ الفرقان: آیت ۵۹ "جس نے بنائے آسمان اور زمین صرف چھ دن میں اور پھر قائم ہوا عرش پر" ☆ اب اس چھ دن کی تفصیل توریت باب پیدائش میں ملاحظہ فرمائیں۔ (۱) خدا کی روح پانی پر تیرتی تھی۔ خدا نے ابتداء میں زمین اور آسمان کو پیدا کیا۔ خدا نے کہا روشنی ہوجا۔ روشنی ہوگئی۔ خدا نے روشنی کو تاریکی سے جدا کیا۔ خدا نے روشنی کو تو دن کہا اور تاریکی کو رات سو پہلا دن ہوا۔ (۲) خدا نے کہا پانیوں کے درمیان فضا ہوتا کہ پانی پانی سے جدا ہوجائے خدا نے فضا کو آسمان کہا سو دوسرا دن ہوا۔ (۳) خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کا پانی ایک جگہ جمع ہوتا کہ خشکی نظر آئے اور ایسا ہی ہوا خدا نے خشکی کو زمین کہا اور جو پانی رہتا تھا اسے سمندر سو تیرا دن ہوا۔ (۴) خدا نے کہا کہ فلک پر نیر ہوں کہ دن کو رات سے علیحدہ کریں اور نشانوں اور زمانوں اور دنوں اور برسوں کا امتیاز لئے ہوئے ہوں۔ وہ فلک پر انوار لئے ہوئے ہوں کہ زمین پر روشنی ڈالیں اور ایسا ہی ہوا کہ خدا نے دو بڑے نیر بنائے ایک نیر اکبر جو دن پر حکم کرے اور ایک نیر اصغر جو رات پر حکم کرے سو چوتھا دن ہوا۔ (۵) خدا نے کہا زمین جانداروں کو ان کی جنس کے مطابق چوپائے۔ رینگنے والے جاندار جنگلی جانور ان کی جنس کے موافق پیدا کرے سو چھٹا دن ہوا۔ ان تفصیلات کے بعد نہ کسی دھماکے کا امکان ہے اور نہ کسی ارتقائی تخلیق کا لہٰذا بگ بانگ کو تخلیق ارضی سے تعبیر کرنا ایک صریح غلطی اور ایک غیر اسلامی عمل ہے قرآنی آیت کان عرشہ علی الماء اور توریت کی آیت خدا کی روح پانی کی سطح پر تیرتی تھی سے واضح ہے کہ کائنات کی وسعتوں میں ایک کرہ پہلے سے موجود تھا جس کی بالائی سطح پر پانی تھا اور اس کے نیچے زمین اس کے بعد بگ بانگ کے تصور کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔ ان جیسے دانشوران ملت کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر مقدمہ ترجمان القرآن میں ملاحظہ فرمائیں جو درج ذیل ہے۔ "آج کل ہندوستان اور مصر کے بعض مدعیان اجتہاد ونظر نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ زمانہ حال کے اصول علم وترقی قرآن سے ثابت کئے جائیں یا جدید تحقیقات علمیہ کا اس سے استنباط کیا جائے۔ گویا قرآن صرف اس لئے نازل ہوا ہے کہ جو بات کوپرنکس۔ نیوٹن، ڈارون اور ویلز نے بغیر کسی الہامی کتاب کے فلسفہ اندیشوں سے دریافت کرلی اسے چند صدی پہلے معموں کی طرح دنیا کے کان میں پھونک دے پھر وہ بھی صدیوں تک دنیا کی سمجھ میں نہ آئیں یہاں تک کہ موجودہ زمانے کے مفسر پیدا ہوں اور تیرہ سو برس پہلے پیشتر کے معمے حل فرمائیں۔" اس ضمن میں جناب رضی الدین صاحب علی گڑھ کا ایک اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیں: "قرآن اور سائنس میں مطابقت تلاش کرنے اور آیات قرآنی کی سائنسی تعبیر وتشریح کرنے والے دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ان کا مقصد قرآن کریم کی حقانیت کو واضح کرانا ہے اور سائنس کو اس پر دلیل بنانا ہے لیکن ان کی کاوشوں کا جائزہ لینے سے قرآن سائنس کی خدمت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ حضرات سائنسی نظریات پر قرآن کی تائید فراہم کرنے کے لئے پورا زور لگاتے ہیں اور اگر کبھی قرآنی الفاظ ساتھ دیتے نظر نہیں آتے تو بہ تکلف ان سے وہ مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے جدید سائنسی نظریات کی تائید ہوسکے۔ یہی نہیں بلکہ اگر بعض سائنسی نظریات میں تحقیقات وتجربات کے نتیجے میں تبدیلی واقع ہوجاتی ہے تو ان بدلے ہوئے نظریات کے حق میں بھی قرآنی آیات فراہم کردی جاتی ہیں۔ میں ایسے دانشوران ملت خدمت میں ایک جملہ نذر کرتا ہوں۔" خذرائے چیرہ دستان سخت ہیں قدرت کی تعزیریں۔"

حکیم ظل الرحمٰن، بی ۲۹، جوہری فارم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

انجینئرنگ کے طلباء کیلئے میڈیکل کورس؟

۱۷ر اپریل ۲۰۰۹ء کے دعوت میں حکیم ظل الرحمٰن کا یہ ریمارک: "بلاشبہ بعض مدارس اپنے معیار تعلیم کے اعتبار سے بے مقصد نظر آتے ہیں لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ جو طبقہ ان میں پڑھنے کے لئے آتا ہے وہ اصلاً پڑھنے نہیں پڑنے کے لئے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فضلاء نہ بن کر فضلہ بن جاتے ہیں۔" انتہائی تلخ ہونے کے باوجود مبنی برحقیقت ہے۔ دینی مدارس کے عصری کرن سے متعلق حکیم صاحب موصوف نے جو کچھ فرمایا ہے بجا فرمایا ہے۔ میں ان کا مؤید ہوں۔ مگر یہ کیا؟ جب سائنسی مضامین کی بات آئی تو موصوف کی حقیقت پسندی رخصت ہوگئی اور وہ بھی پروفیسر محسن عثمانی ندوی وغیرہم کی صف میں کھڑے ہوگئے۔ رقم طراز ہیں کہ "ہر نصاب کا ایک مقصود ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں ضروریات دنیا مقصود ہی نہیں ہیں۔" اور ان کا ماننا ہے کہ طلباء ملک کی عربی فارسی کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد کہتے ہیں "لہٰذا ان اداروں سے یہ مطالبہ کہ وہ عصری علوم دنیاوی ضرورت کے لحاظ سے بھی پڑھائیں، بے جا ہے۔" کیا طرفہ تماشا ہے ایک جانب جس رائے کی مخالفت کر رہے ہیں دوسری جانب اس کی موافقت کرتے نظر آرہے ہیں۔ آرٹس کے مضامین کے لئے چیں بہ جبیں ہوجاتے ہیں اور سائنسی مضامین کے لئے ندوہ اور دارالعلوم کو تختہ مشق بنانے پر تل جاتے ہیں۔ میں حکیم صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ انجینئر کے طلبہ کے لئے میڈیکل کورسز کی سفارش کرسکتے ہیں؟

محمد شاکر الاکرم، فلاحی، بلارپور، مہاراشٹر

دہشت گردی کی جنگ کا دوسرا پہلو

ڈاکٹر ملیحہ لودھی

امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے دو ہفتے قبل اس بات کا اعلان کیا کہ اب امریکی انتظامیہ ’’دہشت گردی کے خلاف جنگ‘‘ کی اصطلاح استعمال نہیں کرے گی۔اس سے قبل پتہ چلا تھا کہ پنٹاگون اس اصطلاح سے دستبردار ہورہی ہے اور اس کی جگہ دوسری اصطلاح Overseas Contingency Operation استعمال کی جائے گی۔

الفاظ کے اپنے اثرات ہوتے ہیں۔ ’’دہشت گردی کے خلاف جنگ‘‘ کا سلوگن اور اس کا تصور بہت بری طرح غلط ثابت ہوا ہے۔دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کے نظریے کی صحیح تشخیص ہوسکی نہ اس کا موثر جواب دیا جاسکا۔اس صورت حال کے متعدد اسباب ہیں ،حالانکہ بہت سے لوگوں کی یہ رائے ہوگی کہ اسٹریٹجک بنیادوں پر جنگ کا اعلان کرنا مثبت نتائج کا حامل نہیں ہوسکتا۔اس بات کے بھی بہت سے اسباب ہیں کہ اس اصطلاح نے دہشت گردوں کی سرکوبی کے مقصد کو حاصل کرنے کی بجائے اسے کافی نقصان پہنچایا۔

جب بش انتظامیہ کی جانب سے ’’دہشت گردی کے خلاف جنگ‘‘ کی اصطلاح استعمال کی گئی تھی اور دہشت گردی کو روکنے کے عمل کو جنگ سے تعبیر کیا گیا اور نائن الیون کے بعد لوگوں میں تحریک پیدا کرنے اور وسائل کے استعمال کے لیے کام کیا گیا جو بالآخر فوجی مداخلت پر منتج ہوا ۔اس بات کو گوانتاناموبے اور دیگر مقامات پر تفتیش کے نام پر انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں ،مرضی کی باتیں اگلوانے کے طریقہ کار اور تشدد کے جواز کے طور پر بھی استعمال کیا گیا۔اب اوباما انتظامیہ نے کہا ہے کہ وہ اس چیز کو ختم کرنا چاہتی ہے۔بہرحال یہ محض اتفاق کہا جاسکتا ہے کہ امریکی صدر اوباما کی انتظامیہ کی جانب سے ’’دہشت گردی کے خلاف جنگ‘‘ کی اصطلاح کو ترک کرنے کا فیصلہ اسی وقت سامنے آیا جب بارک اوباما نے ترک پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ’’امریکہ اسلام کے خلاف جنگ کر رہا ہے،نہ کرے گا!‘‘ اس سے لگتا ہے کہ ’’دہشت گردی کے خلاف جنگ‘‘ کے الفاظ استعمال نہ کرنے کا فیصلہ امریکی انتظامیہ کی جانب سے اسلامی دنیا کے ساتھ طویل عرصے سے کشیدہ تعلقات کو بہتر کرنے کی ایک کوشش ہے۔

اہم مسئلہ یہ ہے کہ جنگ کی باتوں اور جنگی اقدامات نے مسائل کو سمجھنے ،ان کے ٹھوس اور دیرپا حل تلاش کرنے اور خیالات کو سمجھنے کے عمل کو پس منظر میں ڈال دیا ہے اور جنگی کارروائیاں صرف دہشت گردوں اور ان کے کارکنوں کے خلاف ہی نہیں ہورہی ہیں۔اس بات سے الگ کہ دہشت گردوں کو جنگجوؤں کا درجہ دینا ،ایک ہی آنکھ سے ہر بات کو دیکھنا ،مختلف گروپوں کو ’’دشمن‘‘ کا لقب دینا اور سب کو ایک عالمی نیٹ ورک سے منسلک کرنا مسئلے کا حل نہیں۔دہشت گردی کے خلاف جنگ نہ صرف خطرات کو مزید بڑھایا بلکہ مقامی لوگوں کی شکایات میں بھی اضافہ کیا اور مختلف علاقوں ،نظریات اور تحاریک سے تعلق رکھنے والوں کو عالمی سطح پر ایک بڑے خطرے سے تعبیر کیا گیا جس کی وجہ سے ہر مسئلے کو ایک الگ انداز میں دیکھ کر حل کرنے کا عمل نہیں کیا جاسکا۔

یہ ابھی واضح نہیں کہ ایسا کوئی منصوبہ امریکی انتظامیہ نے تیار کرلیا ہے جس کے نتیجے میں اس مائنڈ سیٹ کو ختم کیا جاسکے جو امریکہ کے مطابق دہشت گردوں کے حامی ہیں اور جنہیں امریکی انتظامیہ شکست دینا چاہتی ہے۔یہ ایک نظریہ ہے جس کے ذریعے اس کی تقلید کرنے والے ان لوگوں کی جگہ فوری طور پر لے لیتے ہیں جو طاقت کے استعمال کے لیے کام آتے ہیں۔القاعدہ کے خلاف نئی حکمت عملی بناتے وقت اس بات کی ضرور کوشش کی جائے کہ اس کے ذریعے پاکستان ،افغانستان اور دیگر علاقوں کو اس کے اثرات سے بچایا جاسکے جہاں انہیں مالی اور افرادی معاونت مل سکتی ہے۔اب ماضی کے تجربات اور حال کے حالات کو دیکھتے ہوئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی پالیسی اور حکمت عملی بنائی جائے جس کے ذریعے دہشت گردی اور اس کے اسباب کا صحیح طور پر اندازہ کرکے قلیل مدتی اور طویل مدتی فیصلے کیے جاسکیں۔اس کے باوجود کہ عالمی سطح پر ہر فورم میں دہشت گردی ایک سب سے بڑے مسئلے کے طور پر سامنے آتی ہے ،کوئی ایسا موثر اور سنجیدہ اقدام نہیں کیا گیا جو مسئلے کے حل کی جانب اہم اور بڑی پیش رفت کہا جاسکے۔دہشت گردی اور اس کی جڑوں کو ختم کرنے کی باتیں بہت کی جاتی ہیں لیکن ابھی تک عملی طور پر کوئی اقدام نہیں ہوا۔مسئلہ یہ ہے کہ عالمی سطح پر دہشت گردی کے اصل اسباب کی کوئی متفقہ تشریح وتعریف سامنے نہیں آسکی جس کی وجہ سے حالات بہتر کرنے میں مشکلات کا سامنا ہے ،مغرب اور اسلامی دنیا کے درمیان دہشت گردی کے اصل اسباب (Root Causes) کے بارے میں الگ الگ تصورات پائے جاتے ہیں۔

مغربی دنیا میں بھی دہشت گردی اور اس کے اسباب کو سمجھنے اور اس کو بیان کرنے میں مختلف الرائے حلقے موجود ہیں جن کی اپنی سوچ اور اپنے خیالات ہیں۔تاہم عام رائے کے مطابق انتہا پسندوں کو اسلام سے منسلک کر دیا جاتا ہے۔ان کے مطابق اسلامی تعلیمات ،اسلام اور ماڈرن دنیا میں کشیدگی ،آزادی اظہار کی محدود آزادی ،مواقع کی کمی ،معاشی بحران ،سماجی مسائل اور اسلامی دنیا میں جمہوریت کا نہ ہونا لوگوں کو دہشت گردی کی طرف مائل کرتے ہیں ۔حالانکہ مسلم ممالک دہشت گردی کے اصل اسباب کو اسلامی ممالک میں غیر ملکی مغربی مداخلت اور قبضہ ،حق خودارادیت دینے سے انکار ، برسوں سے حل نہ ہونے والے معاملات اور سیاسی ومعاشی محرومیاں نا امیدی کو جنم دیتی ہیں۔

حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان خیالات ونظریات کو سامنے رکھتے ہوئے عالمی سطح پر بکھرے ہوئے معاملات کے سدھرنے کے لیے قدم بڑھایا جائے تاکہ دہشت گردی اور انتہا پسندی کے مسائل سے نجات مل سکے ۔امریکہ گزشتہ طویل عرصے سے اس بات کو تسلیم کرنے میں جھجک رہا ہے کہ اسلامی دنیا کے حوالے سے اس کی پالیسیاں قیام امن اور اسلام اور مغرب کے درمیان خلیج کو پاٹنے میں معاون ثابت نہیں ہوئیں ۔اس کے ساتھ اسلامی ممالک میں بھی طرز حکمرانی میں قابل عمل تبدیلیوں ،غربت اور افلاس کے خاتمے اور تعلیم کے مواقع کی فراہمی بھی حالات کو بہتر کرنے میں مددگار ہوگی۔

اہم معاملات ومسائل پر اختلافی نظریات اور آراء بھی معاملات کو سلجھانے کی طرف جارہی ہیں ،اس سلسلے میں کوئی قلیل المیعاد اور طویل مدتی پالیسی کام نہیں آرہی۔اب وقت آگیا ہے کہ مغرب اور امریکہ دہشت گردی کے خاتمے کی کوششوں میں لوگوں کے دلوں اور ذہنوں پر قبضہ نہیں کریں بلکہ انہیں جیتنے کی کوشش کریں۔دہشت گردی کے قلع قمع کے لیے قبضے کا عمل خود کو شکست دینے کے مترادف ہے جس کا نتیجہ آخر کار دہشت گردی اور تشدد میں اضافے کی صورت میں ہی نکلے گا۔اگر اوباما انتظامیہ نے ’’دہشت گردی کے خلاف جنگ‘‘ کے الفاظ تبدیل کرنے کے ساتھ عملی طور پر بھی نمایاں اقدامات کیے تو یہ اپنے وقت کے انتہائی پیچیدہ اور گمبھیر مسئلے کے حل کی جانب ایک مثبت قدم ہوگا۔ ●●

طالبان کا صحافیوں کو انتباہ

اسلام آباد- پاکستان کے طالبان نے صحافیوں کو خبردار کیا ہے کہ اگر انہوں نے مالاکنڈ ڈویژن میں ان کی نفاذ شریعت کی جدوجہد کے خلاف پروپیگنڈا بند نہ کیا تو انہیں ’’سنگین نتائج‘‘ بھگتنے پڑیں گے۔ پاکستانی فوج کی جانب سے بونیر ضلع میں زمینی اور فضائی کارروائی شروع ہونے کے بعد طالبان نے منگل کی شب منگورہ میں اردو زبان میں تحریری وارننگ جاری کرکے انتباہ دیا ہے کہ نجی اور سرکاری خبررساں ایجنسیوں کے تمام ایڈیٹر صحافی اور کالم نگاروں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کو سماج کی سمت بدلنے ، انقلاب لانے اور عوامی رائے سازی میں اہم رول ادا کرنا ہے اس لئے یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے کالموں، اداریوں اور سرخیوں میں ہماری جائز جدوجہد کو جگہ دیں تاکہ مثبت نتائج حاصل ہوسکیں۔

مسجد اشاعت اسلام میں خطبۂ جمعہ

اچھی تعلیم وتربیت سے بہتر کوئی عطیہ نہیں

نئی دہلی- ہمارے اندر جو شخص بھی کسی ادارے کا ذمہ دار ہے اسے عدل وانصاف سے کام لینا چاہئے۔ انصاف کی بات کرنی چاہئے اور انصاف قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ایسے لوگوں کو حدیث رسول کے مطابق عرش الٰہی کے سایہ میں جگہ ملے گی جب اس کے علاوہ کہیں اور سایہ میسر نہ ہوگا۔ یہ خوشخبری ’’امام عادل‘‘ کے لئے ہے جس سے مراد اسلامی اداروں، تنظیموں، جماعتوں اور حکومتوں کے ذمہ دار اور سربراہ ہیں۔ ان خیالات کا اظہار جناب اعجاز احمد اسلم سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے ۲۴ راپریل کو مسجد اشاعت اسلام میں خطبہ جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ جب خدا ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے اور وہ ہمارے تمام اعمال اور اس کے پس پردہ کارفرما جذبات، احساسات، محرکات اور ارادوں کی نگرانی کررہا ہے اور اس سے کوئی عمل چھپا ہوا نہیں ہے تو ایسی صورت میں ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا زیادہ احساس ہونا چاہئے انہوں نے معاشرے میں عفت وپاکدامنی، تقویٰ شعاری، شوق عبادت ، خدا پرستانہ ماحول میں بچوں کی نشوونما اور ان کی تعلیم وتربیت پر زور دیا اور اس ذیل میں انہوں نے بطور خاص والدین اور سرپرستوں کو متوجہ کیا کہ وہ اپنی اولاد اور زیر کفالت لوگوں کی عمدہ تعلیم وتربیت کا انتظام کریں اور اس طرف سے غافل نہ رہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اولاد کے لئے والدین کی طرف سے اچھی تعلیم وتربیت سے بہتر کوئی عطیہ نہیں۔

(رپورٹ: عبدالحق فلاحی)

مودی کیخلاف تحقیقات کا حکم قابل استقبال / انجینئر محمد سلیم

جے پور- جماعت اسلامی ہند کے امیر حلقہ راجستھان، انجینئر محمد سلیم نے عدالت عظمٰی کے ذریعہ گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی کے خلاف ۲۰۰۲ء کی گجرات نسل کشی میں ملوث ہونے کے بارے میں تحقیقات کے حکم کا خیر مقدم کیا ہے۔ ۲۸ راپریل کو یہاں ایک بیان میں انہوں نے کہا کہ حالانکہ یہ کارروائی بہت تاخیر سے سات سال بعد کی گئی ہے، تاہم اس سے گجرات فسادات کے متاثرین کو کچھ راحت نصیب ہوگی جو حصول انصاف سے تقریباً مایوس ہوچکے تھے۔ انہوں نے عدلیہ کے اس اقدام سے یہ بھی امید ظاہر کی کہ اللہ نے چاہا تو دیر سے سہی، گجرات قتل عام کے اصل مجرم ضرور پکڑے جائیں گے خواہ وہ سیاسی طور پر کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں۔ اس سے قبل بھی ایک ٹی وی چینل نے مسٹر نریندر مودی اور ان کے بعض ساتھیوں کی گجرات فسادات میں شمولیت سے متعلق ویڈیو کلپس دکھائے تھے۔ جناب محمد سلیم کا کہنا ہے کہ اس وقت بھی مرکزی حکومت کی جانب سے ان مجرمین کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا گیا تھا۔ انہوں نے بعض بڑی شخصیتوں کی جانب سے نریندر مودی کو وزیر اعظم ہند کے طور پر پروجیکٹ کیے جانے کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہا کہ مودی کا حقیقی مقام تو سلاخوں کے پیچھے ہے، نہ کہ مسند حکومت۔

دینی مدارس کے نصاب میں اسلامی مالیات کی شمولیت پر ورکشاپ کے فیصلے

نئی دہلی- اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ (جدہ) کے مشترکہ تعاون سے اسلامی مدارس میں اسلامی مالیات اور دوسری متعلقہ مضامین کی تدریس کے امکانات کا جائزہ لینے کے لئے جامعہ ہمدرد (نئی دہلی) میں منعقد ورکشاپ میں ملک کی ممتاز ومعروف دینی جامعات بہ شمول دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم (وقف) دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ نظامیہ حیدر آباد، جامعہ دارالسلام عمرآباد اور جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ کے نمائندے شریک ہوئے جس میں دینی مدارس کے نصاب میں جدید مضامین خاص طور پر اسلامی معاشیات کی شمولیت پر غور وخوض ہوا۔ غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد درج ذیل قراردادیں منظور ہوئیں۔

(۱) یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام ایک جامع نظام حیات رکھتا ہے۔ جو ہر جہت سے عالم انسانیت کی صلاح وفلاح کا علمبردار ہے۔ اس نے ایک عادلانہ معاشی نظام بھی انسانیت کے لئے پیش کیا ہے۔ جس کی افادیت اور مصالح سے ہم آہنگی صدیوں کے عملی تجربات سے ثابت ہوچکی ہے۔ جہاں قرآن وحدیث نے اس سلسلے میں اصول ومبادی کی رہنمائی کی ہے۔ وہیں فقہاء کی اجتہادی کاوشوں نے زمانے کی ضرورتوں کے مطابق اقتصادی میدان میں بھی پیدا ہونے والے مسائل کا حل پیش کیا ہے، اس طرح مدون ہونے والی اسلامی معاشیات دینی مدارس کے نصاب کا اہم ترین حصہ ہے اور ہمیشہ اس کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔

(۲) صنعتی انقلاب کے بعد جو معاشی ترقی وجود میں آئی اور مختلف معاشی ادارے قائم ہوئے ،گزشتہ نصف صدی کے دوران ان اداروں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے اور شریعت اسلامی کی منصفانہ تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے کی قابل تحسین کاوشیں سامنے آئی ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلامی فقہ ترقی یافتہ معاشی اداروں کو محرمات سے پاک کرتے ہوئے زیادہ بہتر صورت میں پیش کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔

(۳) ہر عہد میں جو مسائل پیدا ہوں اور دین وشریعت سے ان کا تعلق ہو، ان کی نوعیت سے واقف ہونا اور ان پر احکام شریعت کو منطبق کرنا علماء وارباب افتاء کا فریضہ ہے۔ اس دور میں سرمایہ کاری کے بعض نئے طریقے مروج ہوئے ہیں، اسی طرح پوری دنیا میں اسلامک مالیاتی اداروں نے بھی جائز متبادل کے طور پر شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے استثمار کے بعض نئے طریقے وضع کئے ہیں، مدارس کے فضلاء کو عموماً اور افتاء کرنے والے طلبہ کو خصوصاً اس سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس لئے دینی مدارس سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے یہاں بقدر ضرورت جدید معاشی تصورات اور اسلامی اصول معاشیات نیز ان کی عملی تطبیقات پر مشتمل تعلیم کا انتظام کریں۔

(۴) مدارس میں معاشیات ومالیات کی تعلیم کا ایک عمومی مرحلہ ہونا چاہئے جو فضیلت سے پہلے ہو، اس میں معاشیات پر کوئی مختصر وآسان کتاب شامل کی جائے جس میں تعریفات، اصطلاحات، بنیادی تصورات، مختلف مالیاتی اداروں سے فراہم کی جانے والی خدمات نیز اسلامک فائنانس، اسلامی بینکنگ اور اسلامک انشورنس میں استعمال ہونے والی جدید مروجہ شکلوں کا تعارف اور ہماری کتب فقہ میں آنے والے مباحث سے ان کا ربط واضح کیا گیا ہو۔

(۵) مدارس میں معاشیات کی تعلیم کا دوسرا مرحلہ فضیلت کے بعد ہونا چاہئے جو ایک سالہ یا دوسالہ ہوسکتا ہے ، جس میں معاشیات اور فقہ المعاملات کو پوری اہمیت کے ساتھ داخل نصاب کیا جائے، نیز اس نصاب میں معاشی نظریات کی عملی تطبیقات اور کسی مالی ادارہ میں کم سے کم دوبار کے عملی تجربات کو بھی شامل رکھا جائے ، اس پس منظر میں حسب ضرورت انہیں انگریزی زبان کی بھی تعلیم دی جائے ،مرکزی دینی جامعات سے درخواست کی جاری ہے کہ اس سلسلے میں عملی قدم اٹھائیں اور اپنے یہاں ان ہی خطوط پر ’’اختصاص فی الاقتصاد الاسلامی‘‘ کا شعبہ قائم کریں۔

(۶) جن اداروں میں تربیت افتاء یا تخصص فی الفقہ کے شعبے قائم ہیں، ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنے یہاں معاشیات سے متعلق بنیادی معلومات اور جدید مالیاتی اسلامی اداروں کے طریقہ کار سے متعلق فقہی مباحث کو بھی نصاب میں شامل کریں، تاکہ موجودہ دور کے مالی معاملات کو سمجھنے میں انہیں سہولت ہو۔

(۷) موجودہ حالات میں دینی تحقیقی اداروں خصوصاً اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز دہلی سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ دینی مدارس میں اسلامی معاشیات کی تعلیم کے دونوں مرحلوں کے لئے علماء فقہ اور ماہرین معاشیات کے باہمی تعاون سے نصابی کتابیں تیار کریں اور اس میں عالم اسلام اور عالم عرب کے وقیع لٹریچر سے خاص طور پر استفادہ کریں، کیونکہ اسلامی معاشیات پر عربی زبان میں تیار ہونے والا مواد براہ راست اسلامی مآخذ سے مستفاد ہے، نیز اس میں خاص طور پر معاشیات کے میدان میں مروج انگریزی مصطلحات کو بھی واضح کیا جائے تاکہ اس کورس کو مکمل کرنے والے فضلاء بآسانی جدید مالیاتی اداروں کو شرعی امور کے بارے میں مشورے دے سکیں۔

(۸) طلبہ کو معاشیات اور خاص کر اسلامی معاشیات سے واقف کرانے کے لئے ماہرین کے توسیعی خطبات کا نظم کیا جائے، یہ انتظام حسب سہولت مدارس اپنے طور پر بھی کرسکتے ہیں ، اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا سے بھی گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کوشش کرے، کیونکہ یہ اس کے اغراض ومقاصد میں داخل ہے۔

(۹) اس بات کی بھی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ جب تک باضابطہ اسلامی معاشیات کی تعلیم کا نظم نہ ہوجائے ، اساتذہ فقہ اور ارباب افتاء کے لیے اس موضوع پر تربیتی کیمپ رکھے جائیں، تاکہ وہ صورت مسئلہ سے اچھی طرح واقف ہوسکیں اور اس کی روشنی میں احکام شرعیہ کو منطبق کریں۔

(۱۰) جن اساتذہ سے فقہ کے اسباق متعلق ہیں ان سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ فقہی ابواب کو پڑھاتے ہوئے ان ابواب سے متعلق پیدا ہونے والے نئے مسائل کا بھی طلبہ کے سامنے تعارف کرائیں اور ان پر روشنی ڈالیں۔

(۱۱) یہ اجتماع، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز اور اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، جدہ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اسلامی معاشیات کو دینی مدارس کے نصاب میں شامل کرنے کے لئے نصاب کی تیاری، ماہرین کی فراہمی اور اساتذہ کی تربیت کا ایک منظم پروگرام بنائیں اور اس سلسلہ میں جلد سے جلد عملی پیش رفت کریں۔ تجاویز کو روبہ عمل لانے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل بھی کی گئی جس میں ڈاکٹر محمد منظور عالم ، ڈاکٹر اوصاف احمد، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ، مولانا عتیق احمد بستوی، جناب امین عثمانی کو شامل کیا گیا ہے۔

امریکی عوام اب نتائج چاہتے ہیں

جہاں تک معاشی پالیسی کی بات ہے آپ صدر اوباما پر اسے نظرانداز کرنے کا الزام تو نہیں لگا سکتے تاہم یہ ضرور ہے کہ ان کی معاشی پالیسی کی افادیت ضرور زیر بحث لائی جاسکتی ہے۔ان کے دور اقتدار کے ابتدائی سو دن میں کم از کم ایک قابل ذکر کارنامہ سات سو ستاسی ارب ڈالر کا معاشی منصوبہ ہے۔بارک اوباما نے امریکن ریکوری اینڈ ری انویسٹمنٹ ایکٹ کے نام سے پہچانے جانے والے اس بل پر صدارت کا حلف اٹھانے کے ایک ماہ کے اندر ہی دستخط کردیے تھے۔

یہ زمانۂ امن میں امریکہ کا اب تک سب سے بڑا اخراجاتی منصوبہ ہے جسے ایک ریکارڈ مختصر وقت میں منظور کیا گیا لیکن صدر اوباما کا یہ معاشی منصوبہ ان کی توقعات کے برعکس کانگریس میں دونوں جماعتوں کی حمایت حاصل کرنے میں ناکام رہا اور حزب مخالف کی ریپبلکن جماعت کی مخالف مہم کا ایک حصہ بن گیا۔

اوباما انتظامیہ کا کہنا ہے کہ اس منصوبے کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوگئے ہیں اور اس کے تحت سڑکوں اور پلوں کی تعمیر کے متعدد منصوبوں کی منظوری دی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ یہ رقم سرکاری ملازمتوں خاص طور پر پولیس کے محکمے میں ملازمتیں بچانے کے لے صرف کی گئی ہے ۔تاہم جس تبدیلی کے دعوے کیے جارہے ہیں اس کا ثبوت دیکھنے کو نہیں مل رہا ہے۔

درحقیقت ایک مختصر مدت میں یہ بل کساد بازاری کو ختم نہیں کرسکتا۔اس منصوبے سے صرف بڑھتی ہوئی بے روزگاری کو کچھ حد تک کم کیا جاسکتا ہے یا پھر مستقبل میں ہونے والی ترقی کے لیے بنیاد تیار کی جاسکتی ہے ۔ صدر اوباما کے پہلے سو دن میں کارکردگی ملی جلی ہے اور اس میں قابل ذکر معاشی بحالی ایکٹ ہے لیکن دوسرے شعبوں کے حوالے سے کیے جانے والے فیصلوں میں غلطیاں کی گئی ہیں۔

اس معاشی ایکٹ کا بہت بڑا منفی پہلو بھی سامنے آنے والا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ منصوبہ امریکہ کے اس بڑھتے ہوئے بجٹ خسارے میں مزید اضافہ کرے گا جس کے بارے میں یہ پیشن گوئی کی جارہی ہے کہ اس مالی سال میں اس کا حجم پونے دو کھرب ڈالر ہوگا۔اگرچہ امریکی انتظامیہ نے یہ عزم ظاہر کیا ہے کہ وہ موجودہ معاشی بحران کے خاتمے کے بعد بجٹ خسارے کا خاتمہ کردے گی لیکن اس کے باوجود ریکارڈ خسارہ ایک ایسی چیز نہیں جسے صدر اوباما اپنے دور صدارت کے پہلے برس کے اہم نکات میں شامل کرنا چاہیں گے۔

معاشی منصوبے سے کہیں زیادہ پیچیدہ چیز ’وال اسٹریٹ بیل آؤٹ پلان‘ یا ’ٹربلڈ ایسیٹ ریلیف پروگرام‘ کے تئیں اوباما انتظامیہ کا رویہ ہے۔بش انتظامیہ کی جانب سے اس منصوبے کے لیے مختص رقم کے استعمال کے حوالے سے ہچکچاہٹ کے بعد مالیاتی ادارے اس ضمن میں فیصلہ کن رویہ چاہتے ہیں لیکن اوباما انتظامیہ کے وزیر خزانہ ٹموتھی گیھتنر نے کانگریس کے سامنے جو ابتدائی منصوبہ پیش کیا تو اس سے بھی نہ صرف ہچکچاہٹ عیاں تھی بلکہ اس خاکے میں کوئی تفصیل بھی نہیں دی گئی۔نتیجہ یہ نکلا کہ وزارت کے ابتدائی ایام میں ہی ان کی ساکھ اس حد تک بگڑی کہ ان سے استعفیٰ لیے جانے کی باتیں ہونے لگیں۔

اوباما انتظامیہ کو اپنے ابتدائی سو دنوں میں جس بڑے سیاسی مسئلے کا سامنا کرنا پڑا وہ اے آئی جی انشورنس سمیت دیگر انشورنس اور مالیاتی اداروں کے اعلیٰ افسران کو دیے جانے والے بونس تھے۔انتظامیہ نے ان بونسوں کی ادائیگی رکوانے کے لے ہر ممکن اقدامات کرنے کا اعلان کیا لیکن اس معاملے پر وزارت خزانہ کا موقف مختلف نکلا اور اس وجہ سے ڈیموکریٹ جماعت کے ہی متعدد ارکان خفا ہوگئے۔

ان سب مسائل کے پس منظر میں اصل امریکی معیشت کی زوال پذیری بھی جاری رہی۔اوباما انتظامیہ کے ابتدائی چند ماہ میں امریکہ میں بے روزگار افراد کی تعداد ریکارڈ سطح تک پہنچ گئی ہے۔تاہم اس کا ذمے دار صدر اوباما کو نہیں ٹھہرایا جاسکتا کیونکہ موجودہ معاشی بحران کی وجوہ کا تعلق گزشتہ دور حکومت سے ہے اور نئی حکومت نے بے روزگاری میں کمی لانے اور کم آمدنی والے طبقے کی مدد کے لیے بیاسی ارب ڈالر مختص کیے ہیں۔

اقتصادی پالیسی کے حوالے سے بارک اوباما کے ابتدائی سو دن ملے جلے رہے اور اس دوران ایک ہی قابل ذکر کام سامنے آیا جو ’امریکن ریکوری اینڈ ری انویسٹمنٹ ایکٹ‘ کی منظوری تھا۔لیکن صدر بارک اوباما کے پہلے سو دن کے بعد ان کے لیے پیغام بہت واضح ہے اور وہ یہ کہ عوام بہتر نتائج دیکھنا چاہتے ہیں۔ ●●

بقیہ: اپنے مفادات کی حفاظت خود ہی کرنی پڑتی ہے

لوگ دونوں طرف سے مارے گئے۔ بابری مسجد پوری طرح ایک طرفہ کارروائی میں شہید کی گئی۔ جو سنگھ پریوار کی انتہائی اشتعال انگیزی کا نتیجہ تھا۔مسجد میں کوئی مسلم جنگجو پناہ لیے ہوئے نہیں تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک ملک کے اندر کسی بھی مسلمان نے کسی بھی قسم کی دہشت گردانہ سرگرمی میں کسی بھی طرح حصہ نہیں لیا تھا حالانکہ سیکڑوں چھوٹے بڑے فسادات ہوچکے تھے مسلمانوں نے کسی بھی بھارتی وزیر اعظم کو قتل نہیں کیا۔پھر بھی ۶ ردسمبر ۱۹۹۲ء کے بعد ملک بھر میں موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ رام جنم بھومی تحریک کے ان گھناؤنے دنوں میں ان کی سیکڑوں مسجدوں کو ملک بھر میں نشانہ بنایا گیا، جلایا گیا اور منظم ومنصوبہ بند طریقے سے تباہ کیا گیا۔اس سب کے باوجود کسی بھی مسلم وزیر بیوروکریٹ ، جج وغیرہ نے بابری مسجد کی شہادت اور اس کے بعد ملک بھر میں مسلم مخالف خون خرابے کے نتیجے میں استعفیٰ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ہاں ۲۰۰۲ء کے گجرات فسادات کے بعد ایک آئی اے ایس افسر نے استعفیٰ دیا لیکن وہ ہرش مندر تھا نہ کہ کوئی مسلمان۔کیا مسلم طبقہ سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی سابق مرکزی وزیر، ممبر پارلیمنٹ چیف جسٹس یا اعلیٰ سطح کا بیوروکریٹ، احمد آباد، گودھرا، بڑودہ وغیرہ سوال پر گزشتہ سات سال کے دوران مسلمانوں کا اعتماد بحال کرنے کے لئے سڑک پر آیا ہے؟

انہوں نے تو گزشتہ سات سال کے عرصہ میں گجرات کے مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے نسلی تفریق وامتیاز جیسے سلوک کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی بھی ہمت نہیں کی۔ ہرش مندر نے گزشتہ مہینہ ہی کہا تھا نریندر مودی کی حکومت نے گزشتہ سات سال کے دوران مسلمانوں کے ساتھ وہ کچھ کیا ہے جو اس سے بھی بدتر ہے جو فروری، مارچ اپریل ۲۰۰۲ء کے فسادات کے دوران کیا گیا تھا۔ اس ریاست میں مسلمانوں کا معاشی، معاشرتی اور سیاسی پوری طرح بائیکاٹ جاری ہے۔ پھر بھی مسلم لیڈر اس کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالنے کی جرأت نہیں کررہے ہیں ہمیں اپنا احتجاج درج کرانے کے لئے کسی پر جوتا پھینکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن کتنے مسلم صحافیوں نے جو قومی اور بین الاقوامی حیثیت رکھتے ہیں گجرات، بابری مسجد یا ماضی کے اسی طرح کے کسی فساد کو سڑک پر لاکر اٹھایا ہے؟ جگدیش ٹائٹلر اور سجن کمار ۱۹۸۴ء میں دہلی میں پاگل پن کے محض تین دنوں کی قیمت اب تک چکا رہے ہیں وہ واقعہ میں ملوث تھے یا نہیں یہ الگ معاملہ ہے لیکن اس واقعہ کے بعد انہوں نے کبھی بھی سکھوں کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔ اس کے برخلاف بھارت میں ’’بابر کی اولاد‘‘ کے تئیں کیا ہورہا ہے؟ ان کو اس سنگھ پریوار کے ذمہ داروں کی طرف سے اب بھی طنز وتشنیع، لعن طعن اور تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے جو آج بھی اپنے کئے پر شرمندہ ہونے کی بجائے فخر کرتے ہیں۔ ان کے خلاف تمام تر ثبوت موجود ہیں پھر بھی وہ آزادی کے ساتھ دندناتے پھر رہے ہیں۔کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان عدل وانصاف حاصل کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے؟ (ریڈیفس ویوز ویکلی سے سرور احمد کے مضمون کا ترجمہ) (ع ق)

بقیہ: یہ ایک مثبت قدم ہے

متاثرین کو انصاف دلانے کی سمت اٹھایا گیا ایک موثر قدم ہے تو عدلیہ، انتظامیہ کے ساتھ تمام اداروں اور شعبوں کو ان کے فرائض کو یاد دلانے والا عمل بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف حلقوں کے ساتھ ساتھ گجرات فسادات کے متاثرین اور ان کو انصاف دلانے کے عمل میں کوشاں شخصیات نے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے۔تیستا سیتلواڑ نے اسے ایک بڑی کامیابی سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے مطابق یہ فیصلہ نہ صرف گلبرگ سوسائٹی میں قتل عام کے خلاف ہے بلکہ گجرات کو دہلا دینے والے تشدد کو ہونے دینے اور شہریوں کو تحفظ فراہم نہ کرنے کی سازش پر کاری ضرب ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ گجرات فسادات میں نریندر مودی، ان کے معاونین وزیر، تین ممبران اسمبلی، وی ایچ پی کے تین لیڈران، آئی اے ایس اور آئی پی ایس کے افسران کی شمولیت کا پتہ لگانے کی آر کے راگھون کی سربراہی والی کمیٹی کو سپریم کورٹ کی طرف سے جو ہدایت دی گئی ہے اور اس کے لئے جو وقت متعین کیا گیا ہے اس پر کس طرح اور کس حد تک عمل کو یقینی بنایا جاسکے گا۔ (ع ک)

خواتین کا ایک روزہ اجتماع

اروليا- درس گاہ اسلامی اروليا میں ۱۹ راپریل کو جماعت اسلامی ہند اروليا (بدایوں) کی جانب سے خواتین کا ایک اجتماع منعقد کیا گیا۔ جس میں امیر مقامی جناب عبدالعظیم کے علاوہ محترمہ طلعت پروین، محترمہ نورقمر اور گرلس اسلامک آرگنائزیشن (GIO) کی رکن محترمہ لیلیٰ رانی وغیرہ نے اظہار خیال کیا۔ نظامت عزیزہ عرشی خانم نے کی۔

جدید ٹکنالوجی کا استعمال فسطائیت کیلئے اور مسلمانوں کی غفلت

عبدالحنان سیوانی ندوی

انٹرنیٹ پر خبریں پڑھتے ہوئے کمپیوٹر میں میٹا کیفے (ایک سائٹ کا نام ہے) کے ذریعہ دو ویڈیو آئیں، میں انہیں بڑی ہی بے دلی سے دیکھ رہا تھا کہ لفظ بجرنگ دل کا عنوان دیکھ کر خواہش ہوئی کہ پوری ویڈیو دیکھی جائے، اور پھر ان دونوں ویڈیو میں جو کچھ میں نے دیکھا، اللہ ایسی جھوٹی، غلط باتوں سے محفوظ فرمائے، خیال آیا کہ واقعی ہندو قوم تو ایک کٹھ پتلی ہے، اسے کچھ معلوم ہی نہیں، وہ تو وہی کرتی ہے جو اسے بتایا جاتا ہے، سکھلایا جاتا ہے، لیکن جب سچائی ان کے سامنے آتی ہے تو کوئی یو آن ریڈلی جیسی باہمت خاتون ابھر کر سامنے آتی ہے اور اسلام کا دفاع پوری شد و مد کے ساتھ کرتی ہے۔

پہلی ویڈیو سات منٹ ۷ سکنڈ اور دوسری تین منٹ ۴ سکنڈ کی ہیں ویڈیو کے بارے میں انگریزی میں لکھا ہے: ''بجرنگ دل کا ممبئی میں حالیہ اجتماع بتاریخ ۱۸ /اپریل ۲۰۰۹ء'' یہ ویڈیو کس وقت کی ہے، کب بنائی گئی، اس کے بارے میں تو کچھ نہیں معلوم، البتہ ویڈیو میں بجرنگ دل کا بینر صاف نظر آتا ہے، ان کے بھگوانوں، دیوی دیوتاؤں کی تصاویر بھی صاف نظر آتی ہیں، ایک شخص جس کی عمر بمشکل ۲۰ یا ۲۵ سال کی ہوگی وہ تقریر کرتا ہے دونوں ویڈیو میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص ہے جو تقریر کر رہا ہے، لباس بھی وہی ہے وہ لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کچھ چیزیں بتاتا ہے، اس اجتماع میں کتنے افراد جمع تھے ویڈیو میں واضح نہیں ہے۔ صرف ایک شخص بار بار نظر آتا ہے وہ شاید مائک ٹھیک کرتا ہے، لیکن یقین کے ساتھ کچھ کہہ نہیں سکتا البتہ تقریر کے دوران گاڑیوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، ہنسنے اور سوالات پوچھنے کی بھی آواز آتی ہے۔

میرا مقصد ویڈیو کے متن سے ہے اور خواہش ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم سب اسے پڑھیں، سمجھیں، کہ کس طریقہ سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جھوٹی باتیں، غلط چیزیں پھیلائی جا رہی ہیں، جس دن ان معصوم ہندوؤں کو سچائی کا پتہ چلے گا، اور انہیں یہ معلوم ہوگا کہ کس طرح سے ان کے لیڈروں نے انہیں بیوقوف بنایا ہے تو ان کے پیروں تلے سے زمین نکل جائے گی، مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اس بات سے باخبر ہوں کہ غیر مسلموں کو ان کے مذہبی لیڈر کس کس طریقہ سے گمراہ کر رہے ہیں۔ ویڈیو کا متن ملاحظہ فرمایئے۔

''... یہ ابھی انڈیا میں ہو رہا ہے، آپ کو پتہ ہے آدمی کا ختنہ کیوں کیا جاتا ہے... (کچھ آوازیں آتی ہیں، کچھ لوگ ہنستے ہیں، بات پھر شروع ہوتی ہے) آدمی کے ختنہ کے دو دن پہلے...... (آواز صاف سنائی نہیں دیتی)...... پہلا ریزن (سبب) ہر مسلمان آپ کو بتائے گا، اور وہ ریزن ہے اس جگہ کو صاف کرنے کے لئے، دوسرا ریزن (سبب) مسلمان آپ کو نہیں بتائے گا، دوسرا ریزن (سبب) میں آپ کو بتا تا ہوں، آدمی کا ختنہ کرنے کا دوسرا ریزن ہے آدمی کی...... شیلتا کو ختم کر دینا، اس جگت (دنیا) میں مسلمانوں کو کسی بھی طرح کا پلیزر (انگریزی لفظ ہے، معنی آرام، سکون، خوشی، لطف) ملے یہ اسلام انومتی (اجازت) نہیں ہے، مسلمانوں کو سونا پہننے کی انومتی (اجازت) نہیں ہے، مسلمانوں کو طرح طرح کے کپڑے پہننے کی انومتی (اجازت) نہیں ہے، مسلمانوں کو اچھا نظر آنے کی بھی انومتی (اجازت) نہیں ہے، مسلمانوں کو کسی بھی طرح کا سکھ بھوگنے (آرام، لطف حاصل کرنا) کی انومتی (اجازت) نہیں ہے، ختنہ کرنے سے...... اس کا پلیزر کم ہو جاتا ہے، آپ سوچیں گے کہ پلیزر...... (آواز صاف سنائی نہیں دیتی) کیوں وہ پلیزر کو ختم کر رہے ہیں، کیوں سونا پہننے نہیں دیتے، کیوں طرح طرح کے کپڑے پہننے نہیں دیتے، کیوں شراب پینے نہیں دیتے، اس کا کارن (وجہ) یہ ہے کہ وہ مسلمان اپنے مقصد سے انکار کر رہے ہیں، سمجھ رہے ہیں آپ، وہ اپنے مقصد سے بھٹک جائیں گے اگر وہ شراب پینے لگیں گے، وہ اپنے مقصد سے بھٹک جائیں گے اگر وہ ناریوں سے، پرناریوں سے سمبندھ (تعلق) رکھنے لگیں گے ویشیا وروتی (جسم فروشی) کرنے لگیں گے مقصد سے بھٹک جائیں گے، اچھے دکھنے لگیں گے تو ان کو اپنی زندگی سے پیار ہو جائے گا، اپنے مقصد سے بھٹک جائیں گے، ان کا مقصد ہے جہاد کرتے ہوئے شہید ہونا اور فردوس جانا، آپ سوچیں گے فردوس...... (آواز صاف سنائی نہیں دیتی) فردوس میں ملتے ہیں چالیس سونے کے پہاڑ، شراب کی بہتی ہوئی ندیاں، بہتر کنواری لڑکیاں، ۲۸ کم عمر کے لڑکے، من میں آپ کی جو اچھائیں (خواہشیں) ہیں، وہ آپ کو فردوس میں مل جائے گا، آپ بریانی چاہیں گے آپ کو بریانی فردوس میں مل جائے گی، آپ دیکھ رہے ہیں باؤجی، جو چیز پرتھوی (زمین) پر بین (پابندی) ہے وہی وہ فردوس میں دے رہے ہیں تاکہ ان کو مرنے میں آسانی ہو، مسلمانوں کی زندگی اتنی روکھی، سوکھی ہوتی ہے، اس میں ناچ نہیں ہے، مسلمانوں میں گانا نہیں ہے، مسلمانوں میں چمڑا پیٹنے پہ پابندی ہے، وہ صرف دف بجاتے ہیں، ڈفلی، اور کسی بھی طرح کا چمڑا پیٹنے پہ اور ڈھولک...... وغیرہ ٹوٹل بین (پابندی) ہے، مسلمانوں کو کرکٹ کھیلنا، اور فٹبال کھیلنا، باسکٹ بال کھیلنا ٹوٹل شرک ہے، افغانستان میں جب کٹر اسلام لگا (آواز صاف سنائی نہیں دیتی) ختم ہو گیا، ساری ٹیم ختم ہو گئی، وہاں کرکٹ بند ہو گیا، ہر چیز بند ہو گئی، کیوں، اسلام میں کھیلنا بھی الاؤ نہیں ہے۔

اگر ہم...... ہم بول رہے ہیں......

سوری (معاف کیجئے) اگر مسلمان کھیلتے رہیں گے تو پھر جہاد کون کرے گا، اسلام کیسے چلے گا، اس وجہ سے ان کی اسپرٹ گائیڈ لائین ایکدم کڑک ہے...... (قطع کلام ہوتا ہے، ایک شخص بابری مسجد کے متعلق سوال کرتا ہے) ...... پولیٹیکل پارٹی...... نہیں نہیں ایودھیا مندر کے لئے...... اصل میں (اصل میں) آپ کو شاید پتہ نہیں ہوگا، یہ موضوع ۱۹۸۸ء میں کانگریس نے لایا، بی جے پی کا ایشو نہیں تھا، یہ اتر پردیش میں کھتہ کر کے ایک منتری تھے، انہوں نے یہ معاملہ شروع کیا، اور ایودھیا میں رام مندر...... یہ بنے یا نہیں بنے، یہ پرشن (سوال) ہی نہیں ہے، پرشن یہ ہے کہ کب بنے...... اور پولیٹیکل پارٹی اگر بنائے تو ٹھیک ہے، ہم پولیٹیکل پارٹی کے ساتھ ہیں، نہیں بنائے تو کوئی بات نہیں، ہم اپنے آپ میں سکھم (اہلیت رکھنے والے) ہیں، ...... (زوردار تالیوں کی آواز گونجتی ہے...... نعرے لگتے ہیں) جب ایودھیا میں کارسیوک جمع ہوئے تھے، وہاں کا ایک پولس آفیسر کہنے لگا کہ بھئی یہاں پر اتنے کارسیوک ہیں کہ مسجد کی ایک ایک اینٹ اٹھائیں گے تو مسجد ختم ہو جائے گی، ...... وہ کارسیوک کسی پولیٹیکل پارٹی کے نہیں تھے، وہ کٹر ہندو تھے، ہم اپنے دھرم کے پرتی (مذہب کے تئیں) جس پل چوکس ہو جائیں گے، اس پل ہر طرح کی سمسیا (مشکل) سے ہم لڑنے میں سکھم (قابل) ہو جائیں گے، جیسا کہ میں نے کہا تھا ہر کوئی اپنے کاریہ چھیتر (دائرہ عمل) میں سکھم ہونا چاہیے۔

آج کوئی وکیل ہے تو اس کو ہندو کا کام کم پیسے میں کرنا چاہئے، ہر کوئی...... ہاں جی...... سوال (سوال جواب شروع ہوتا ہے، شور ہوتا ہے، آواز صاف سمجھ میں نہیں آتی، شاید ختنہ، نسبندی اور آبادی کے متعلق کوئی شخص کچھ پوچھتا ہے) ختنہ اور نسبندی الگ الگ چیز ہے۔ آج سے بیس سال پہلے...... سال پہلے کے ہندوؤں کو دیکھئے ان کی آبادی کو کمپیر (موازنہ) کریئے، آپ پہلے دو بھائی ہو...... آپ اپنے پتا جی کو (والد) یا ان کے پتا جی کو دیکھئے وہ کتنے بھائی بہن تھے، میرے دادا سات بھائی بہن ہیں، میری ممی ۹ بھائی بہن ہیں، ...... مگر جیسے جیسے ہم سچیت (بڑے، سمجھدار) ہوئے، ...... جیسے جیسے ہم جوان ہوئے، ہم نے سمجھا کہ نہیں اگر ہم کو اپنے بچوں کو اچھا بھوشیہ (مستقبل) دینا ہے، تو ہمیں کم بچے کرنے ہوں گے، تو ہم نے کم بچے کرنا شروع کئے، ہم نے اپنے آپ کو ڈھالا ...... (آواز صاف سمجھ میں نہیں آتی)...... ستی کرنا چھوڑ دیا، ...... ستی ہونا ہندوستان میں بند ہو گیا، آج ہم نے پردہ چھوڑ دیا، ہندو دھرم جو ہے سمئے کے انوکول (وقت مطابق) ڈھلتا رہا، مسلمان سمئے کی پرتیکول چلتا رہا...... اسی وجہ سے آج افغانستان وہی ساتویں شتابدی میں جی رہا ہے، نہ وہاں سڑکیں ہیں، نہ وہاں پانی ہے، نہ بجلی ہے، نہ وہاں موٹر ہے، نہ ہاسپٹل ہے، کچھ نہیں ہے، صرف دین کے رکھ والے ہیں، اور ...... مگر آج انڈیا کی اکنومی (اقتصادی ترقی) بہت اوپر جا رہی ہے ...... اس کا کارن ہے...... ابھی بھی ہندو چاہے تو بیس بیس بچے پیدا کرے اور ہم پال بھی سکتے ہیں، وہ تو پال بھی نہیں پاتے، وہ بیس بچے کرتے ہیں، ایک بچہ چوری کرتا ہے، ایک آوارہ گری کرتا ہے، ہر بچہ الگ الگ طرح کے کام کرتا ہے، ...... ہم ہندو دیش کا ۸۰ فیصد ہونے کے باوجود ۹۵ فیصد ٹیکس بھرتے ہیں اور وہ ہندوستان کا ۱۵ فیصد ہونے کے باوجود ۳ فیصد پر بھی ٹیکس نہیں بھر پاتے......''

یہ ہے پہلی ویڈیو کا متن دوسری ویڈیو کا متن محسوس ہوتا ہے کہ پہلے کا تسلسل ہے، لیکن اس میں کہی جانے والی باتیں بھی کسی جھوٹ اور افتراء سے کم نہیں، اور یہ ثابت کرتی ہیں کہ کس طرح بعض ہندو تنظیمیں عام ہندوؤں کو اور جن کے عقائد کمزور ہیں، جن کا تعلیمی معیار اور معاشرتی پہلو مضبوط نہیں ہے، اور عقل سے اتنے پختہ نہیں ہیں کہ اچھے اور برے کو پرکھ سکیں ایسے عام ہندوؤں کو کس طرح مذہب کے نام پر بہکا رہی ہیں اور انہیں کس طرح اسلام اور مسلمانوں کے متعلق غلط چیزیں دکھائی، سنائی اور بتائی جا رہی ہیں جس کا نتیجہ ہم نے اجودھیا میں دیکھا، ۲۰۰۲ء میں گجرات فساد میں دیکھا گیا، اور سادھوی پرگیا ٹھاکر کے کارنامے بھی اسی طرح کی باتوں میں آ کر کئے گئے ہیں جس کی سزا وہ بھگت رہی ہے اور اس کا دھرم بدنام ہو رہا ہے۔

دوسری ویڈیو کا متن اختصار کے ساتھ ملاحظہ فرمایئے۔ (حضور کی ذاتی زندگی پر الزامات ہیں) ''...اپنے گود لئے بیٹے کی وائف (بیوی) سے شادی کی، اس عورت کا نام تھا زینب (رضی اللہ عنہا)، تو جیسے جیسے ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کیریکٹر کو سمجھیں گے، تو ہم کو یہ ہر چیز سمجھ میں آئے گی، مسلمان کہتے ہیں کہ جہاد آتم رکچھا کے لئے ہے، غلط ہے، جہاد آتم رکچھا کے لئے نہیں ہے، اگر آپ اسلامک کیلنڈر کی شروعات دیکھیں گے، کرشچین (مسیحی) کیلنڈر ہے جس کو آج ہم سب لوگ مانتے ہیں کرشچین کیلنڈر، وہ جیسس یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) کے جنم سے شروع ہوا، مگر اسلامک کیلنڈر مسلمانوں کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جنم سے (پیدائش) شروع نہیں ہوا، جب مکہ میں اسلامک حکومت بنی ۶۲۲ء میں تب سے اسلامک کیلنڈر شروع ہوتا ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے جیون (زندگی) میں ۲۷ یدھ (جنگ) کئے، یدھ چھیڑے نہیں، یدھ کئے اور اسی وجہ سے ہر مسلمان جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ...... (آواز صاف سمجھ میں نہیں آتی) ہو بہو محمد ہونا چاہتا ہے تو وہ آخر میں آتنکوادی بن کے سامنے آتا ہے، آپ سوچیں گے، جہاد، جہاد، جہاد کیا ہے، جہاد عربک ورڈ (لفظ) ہے، یہ آیا ہے جہادت سے، جس کو ہندی میں جدوجہد بھی کہتے ہیں، ...... (آواز سمجھ میں نہیں آتی) جب اسپینش اٹومن امپائر گرا (سقوط)، اسپین میں مسلمانوں نے ساڑھے سات سو سے آٹھ سو سال حکومت کی ہے، ہندوستان میں ہزار سال سے زیادہ کی ہے ...... تب جہاد آفیشلی (حکومتی طور پر) ختم ہو چکی تھی کیونکہ مسلمانوں کی حکومتیں مضبوط نہیں تھیں، انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب جہاد کو ٹھنڈے بستے میں ڈال دیا جائے، پھر...... (تاریخ کا ذکر ہوتا ہے، آواز صاف سمجھ میں نہیں آتی) کے انت میں اور بیسویں شتابدی کے شروعات میں جب کالا سونا...... تیل...... پیٹرول ڈالر، پیٹرول ڈالر بہت تیزی سے آنے لگے تب جہاد کا جھنڈا پھر سے بلند ہو گیا، اگر آپ سعودی عربیہ کا فلیگ (پرچم) دیکھیں گے، وہاں پہ وہابزم (وہابیت) ہے، وہابزم ایک طریقہ ہے جس طریقہ سے نماز ادا کی جاتی ہے، چار مصلے ہیں، چار طریقے ہیں جس میں نماز ادا کی جاتی ہے، ایک ہے وہابی، ایک ہے حنفی (مجھے ایسا لگتا ہے کہ حنفی کے بجائے اجنبی کہتا ہے ویڈیو میں، لیکن چونکہ آواز صاف نہیں ہے اس لئے میں حنفی ہی لکھتا ہوں) ایک شافعی اور مالکی، ان چاروں طریقوں سے نماز ادا کی جاتی ہے، تو سعودی میں پورا وہابزم ہے، وہاں پر بہت ...... اور ان کے جھنڈے پہ تلوار ہے، کوئی بھی ...... (آواز صاف سمجھ میں نہیں آتی) ان کے جھنڈے پر تلوار ہے، یہ تلوار اس بات کی گھوشنا (اعلان) ہے کہ پوری پرتھوی پر اسلام کا جھنڈا پھیلاؤ۔ پوری پرتھوی پر اسلام پھیلاؤ، اللہ نے so-called اللہ نے آل عمران میں آیت نمبر ۱۰۳ میں کہا ہے، واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (قرآن کی یہ آیت پڑھتا ہے، پڑھنے کا تلفظ صحیح نہیں ہے، انگریزی میں بھی اس کا مطلب واضح کرتا) مطلب مسلمانوں کو ایک آدیش (حکم) دیا ہے تم شیعہ سنی مت لڑو، تم ...... پٹھان مت لڑو، تم ایک ہو کے رہو، یہ ہمارے ہت (فائدے) میں ہے کہ یہ لڑتے رہیں، آج کوئٹہ شہر میں ساڑھے چار ہزار شیعہ لاپتہ ہیں ...... جب تک ہم موجود ہیں ہم سب کافر، اسی لئے میں نے آتے ہی کہا تھا ہم سب کو کافر نام کی چھتری کے نیچے ایک ہونا پڑے گا، جب تک ہم موجود ہیں، ہماری موجودگی میں ان میں ٹیمپریری یونٹی (وقتی اتحاد) ہے، شیعہ سنی میں گٹھ بندھن ہے جس پل ہم ختم ہوئے وہ گٹھ بندھن ٹوٹ جائے گا وہ لڑائی شروع کر دیں گے......''

یہ ہے دونوں ویڈیو کا اختصار کے ساتھ متن، دونوں ویڈیو کے متن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کس طریقہ سے اس طرح کی تنظیمیں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق غلط فہمیاں، جھوٹی باتیں عام ہندوؤں کے ذہنوں میں بھر رہی ہیں، جن کا اسلام یا مسلمانوں کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے، جس شخص کو یہ پتہ نہیں کہ شرک کیا ہے، جہاد کیا ہے، اسلام میں کتنے مسالک ہیں، نماز کن کن طریقوں سے ادا کی جاتی ہے، اور بھی بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو مذکورہ بالا متن سے ظاہر ہوتی ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں، ان کے دلوں میں کجی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ تمام ہندو قوموں کے اندر کجی پیدا کر دیں، مسلمانوں کے خلاف اور اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں ان کے ذہنوں میں جھوٹ بول بول کر اور غلط باتیں عام کر کے اس قدر زہر گھول دیں، کہ پوری ہندو قوم ان کے ایک اشارے پر خون کی ندیاں بہا دے، مسلمانوں کی مساجد، ان کی آبرو، اور ان کی تہذیب و تمدن کو خاک و خون میں ملا دے، جس کا مشاہدہ ہم نے گجرات میں دیکھا، اجودھیا میں دیکھا۔

حکومت کے پاس اس طرح کی زہریلی جھوٹی اور بے بنیاد باتوں کو روکنے کے لئے نہ کوئی لائحہ عمل ہے اور نہ ہی کوئی حرکت نظر آتی ہے کہ حکومت مستقبل قریب یا بعید میں اس طرح کی چیزوں کو روکنے کے لئے کوئی قدم اٹھانے والی نہیں ہے۔

یہ تو صرف دو ویڈیو تھیں جو بذریعہ انٹرنیٹ ہم تک پہنچیں ورنہ اس طرح کی لاکھوں کی تعداد میں ویڈیو اور کتابیں ہیں، سی ڈیاں ہیں، لیٹریچر ہیں اور آر ایس ایس کے تحت چلنے والے تمام ادارے ہیں جہاں ہر روز ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں جھوٹی اور بے بنیاد باتوں کو عام اور ناواقف ہندوؤں کے ذہنوں میں بھرا جا رہا ہے جس کے اثرات ڈھیرے ڈھیرے نظر آتے ہیں، لیکن ایسے لوگوں کے خلاف نہ ہی حکومت جا سکتی ہے نہ پولس کارروائی کرنے کا خطرہ مول لے سکتی ہے کیونکہ یہ افراد اور ان سے متعلق جماعتیں وطن پرست ہیں اور ان کے نام سے پہلے حرف ''ہ'' کا جڑا ہونا ہی وطن پرستی کی دلیل ہے خواہ یہ پورے ملک کو گجرات ہی کیوں نہ بنا دیں۔

اس ویڈیو کی تفصیلات پیش کرنے کا مقصد صرف آگہی ہے، مسلمانوں اور غیر مسلموں کو یہ بتانا ہے کہ وہ ان چیزوں سے بھی باخبر ہوں جو ان کے اردگرد ہو رہی ہیں اور جس کا انہیں احساس بھی نہیں ہو پاتا۔

●●

امت کے عروج و زوال کا پیمانہ

محمد سیف اللہ، کوٹہ، راجستھان

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور رسول کہے گا کہ اے میرے رب، میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانۂ تضحیک بنا لیا تھا۔'' (سورۃ الفرقان: ۳۰)

''رہا یہ ذکر (قرآن) تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔'' (سورۃ الحجر: ۹)

نبیؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: ''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم نے ان کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب (قرآن) ہے اور دوسری میری سنت ہے۔'' (موطا)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کتاب پر عمل کے ذریعے لوگوں کو عروج عطا کرے گا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو قعر مذلت میں دھکیل دے گا۔'' (مسلم)

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔'' (بخاری)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ''وہی چیز اس امت کے آخری لوگوں کی اصلاح کے لیے ناگزیر ہے جس سے اس کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی۔''

معلوم ہوا کہ انسان کے لیے ہدایت الٰہی کا سرچشمہ قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس امت کی ہدایت اور فلاح کے لیے قرآن و سنت دونوں کی پیروی لازمی ہے ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ دینے کا مطلب ہے پوری ہدایت کو چھوڑ دینا۔ دنیا میں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کئی کتابیں نازل فرمائیں لیکن یہ سب محفوظ نہیں رہ سکیں اب دنیا میں صرف قرآن ہی ایسی کتاب ہے جو اپنی اصل حیثیت میں آج بھی محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمے لی ہے۔

سارا عالم گواہ ہے کہ یہ قرآن مجید سب سے بڑی انقلابی کتاب ہے۔ اس نے اپنے زمانے کی ایک انتہائی پسماندہ قوم کو وقت کی سب سے بڑی ترقی یافتہ اور مہذب ترین قوم بنا دیا۔ آج بھی ہم اس قرآن کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ مانتے ہیں۔ اس کو اللہ کی طرف سے انسانوں کے لیے ہدایت نامہ مانتے ہیں لیکن پھر بھی ہم نے اس کتاب عظیم نسخہ کیمیا، کی ہدایت و تعلیم سے اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے۔ یہ عظیم کتاب تو ہم کو عروج عطا کرنے آئی تھی لیکن اس کو ہم چھوڑ کر اور پس پشت ڈال کر اپنے لیے ذلت و رسوائی اور بربادی خرید لی ہے۔ اگر ہمیں عروج، رعب، وقار، عزت حاصل کرنا ہے تو اپنے ایک ایک لمحہ کو اس کتاب عظیم پر سچے دل سے عمل کرتے ہوئے گزارنا ہوگا۔ اور اس کے پیغام کو دنیائے انسانیت تک پہنچانا ہوگا۔

سود - ان الفاظ کی حقیقت کیا ہے؟

عزیز الرحمٰن ندوی، ۵۷۴۳، علی نگر، رائے بریلی

اسلام ایک ابدی حقیقت ہے اور تمام ادیان میں سب سے اچھا دین ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے بہت بہترین انداز میں اظہار فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ان الدین عند اللہ الاسلام'' اور ایک کامل و مکمل قانون حیات ہے، ایسا مکمل کہ اس نے زندگی کے کسی شعبہ کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، چنانچہ زندگی کے جملہ شعبوں میں سے ایک شعبہ معاش اور ذرائع آمدنی بھی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہر شعبہ میں رہنمائی فرمائی اس شعبہ کے بھی اصول و ضوابط اُمت کو سکھائے، بیع و شراء قرض، رہن، ہبہ وغیرہ کے اصول بتائے، لیکن دوسری طرف بہت چیزوں سے منع بھی فرمایا چنانچہ بعض چیزوں کو ناجائز بعض کو مکروہ اور بعض کو حرام تک قرار دیا جیسا کہ سود کے لین دین کو نبی اکرمؐ نے قولاً و عملاً حرام فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، احل اللہ البیع وحرم الربوٰ، اس قطعی دلیل کے بعد کون مسلمان ہے جو اس کی حرمت و حلت کے بارے میں لب کشائی کر سکے۔ یا اس کے حکم کی تبدیلی کے بارے میں رائے زنی کرے یا اس میں نکلتے نکالنے کی جرأت کرے۔ لیکن حیرت و تعجب کی انتہا نہ رہی، جس وقت سہ روزہ دعوت مورخہ ۲۸ /مارچ ۲۰۰۹ء کے صفحہ ۵ پر جناب انتظار نعیم صاحب کے مضمون ''کیا یہ سود کی پوشیدہ حمایت نہیں ہے؟'' پڑھ کر جناب حکیم ظل الرحمٰن کی فکر ان کی سوچ اور ذہن کو سمجھنے کا اتفاق ہوا۔ حکیم صاحب نے جس نظریہ اور فکر کا اظہار کیا ہے، اس سے بہر حال ہر غیرت مند مسلمان کے دل کو ٹھیس پہنچی ہوگی اور پہنچنا بھی چاہئے۔ اگر کسی کے دل کو ٹھیس نہ پہنچے تو یہ اس کی بے غیرتی، بے حمیتی اور بے ضمیری کی علامت ہے ایک ایسے مسئلہ میں جس کی حرمت کے بارے میں قطعی ثبوت موجود ہے۔ جس کو قرآن نے صاف صاف الفاظ میں حرام قرار دیا ہے۔ اس میں امکانیات اور نقطہ نظر کے راستے سے شوشے نکالنا کہاں کا اجتہاد ہے۔ جناب حکیم صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نعوذ باللہ حضورؐ سے بھی سودی لین دین کا ثبوت موجود ہے۔ انہوں نے حوالے کے طور پر ''یہودی سے قرض'' لینے کے واقعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انہوں نے جس نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے اور ''امکان نہیں بلکہ بہت زیادہ امکان'' جیسے الفاظ کہے ہیں، درحقیقت حکیم صاحب ہی اس طرح کے الفاظ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ حکیم صاحب اہل علم اور حکیم ہیں۔ ان کی تحریر سے قارئین کے دماغ میں یہ بات پیدا ہوئی ہوگی کہ بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے انہوں نے یہ بات نہ فرمائی ہوگی۔ اس سے ملت اسلامیہ کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے اور سود کی حرمت ذہنوں میں کم ہو کر اس میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ بہت بڑھ گیا ہے۔ حکیم صاحب سے گزارش ہے کہ انہوں نے جس بنیاد پر یہ بات کہی ہے اس دلیل کا اظہار فرمادیں تاکہ ہم جیسے کم علموں کے دل سے شبہات کا ازالہ ہو جائے۔ اور ان کی تحقیق ہمارے علم میں بھی اضافہ کا سبب بنے۔

طب وصحت

فالج سے بچاؤ ممکن ہے

امریکہ میں فالج سے ہر سال ڈیڑھ لاکھ افراد مرتے ہیں جن میں ۸۷ فیصد کی عمر ۶۵ سال سے اوپر ہوتی ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ وہاں تیس لاکھ افراد ایسے ہیں جو فالج کے حملے سے بچ گئے، لیکن ان میں سے بہت سے لوگ معذوری کی زندگی گزار رہے ہیں۔

فالج اس وقت ہوتا ہے جب دماغ کو خون کی فراہمی کم ہو جاتی ہے۔ یا بند ہو جاتی ہے۔ فالج کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ پہلی طرح کے فالج کو وقف الدم (Ischemic Stroke) کہتے ہیں۔ فالج کے ۸۰ فیصد مریض اسی طرح کے فالج میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ فالج یا تو ایسی شریان میں تھکان بن جانے سے ہوتا ہے، جو دماغ کے کسی حصے کو خون فراہم کر رہی ہے یا پھر جسم کے کسی اور حصے کی شریان میں موجود تھکے کے اس شریان سے دماغ تک پہنچ جانے کے بعد ہوتا ہے۔ دوسری قسم نزف الدم (Hemorrthagic stroke) کہلاتی ہے۔ اس طرح کے فالج میں جسے جریان خون یا سیلان خون بھی کہتے ہیں، دماغ سے خون رسنے لگتا ہے۔

فالج کی وجہ بننے والے وہ عوامل جن پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہوتا یہ ہیں: عمر، نسل اور جنس (مردوں میں یہ مرض زیادہ ہوتا ہے) اس کے علاوہ خاندانی کوائف پر بھی ہمارا کوئی اختیار نہیں ہوتا یعنی یہ کہ خاندان میں کسے کس یہ مرض ہے یا رہ چکا ہے۔ ۵۵ سال کی عمر کے بعد ہر دس سال میں فالج کا خطرہ دوگنا ہوتا جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا کہ ۷۵ سال کی عمر سے قبل سیاہ فام امریکی سفید فام امریکیوں کے مقابلے میں دوگنا تعداد میں فالج کا شکار ہوتے ہیں۔

فالج کا سبب بننے والے وہ عوامل جن پر ہمارا اختیار ہو سکتا ہے، یہ ہیں بلند فشار خون، تمباکو نوشی، زیادہ کولیسٹرول، مے نوشی، دل کی کوئی بیماری، ذیابیطس، جسمانی سرگرمی نہ ہونا وغیرہ۔ وقف الدم کے وقتی یا سرسری حملے بھی اس خطرے میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

فالج کا سبب بننے والے وہ عوامل جو ہمارے اختیار میں ہوتے ہیں۔ ان میں بلند فشار خون سب سے اہم ہے۔ جن لوگوں میں فشار خون (بلڈ پریشر) صحیح سطح اور زیادہ سطح کے بین بین رہتا ہے ان کے لئے بھی فالج کا خطرہ ایسے لوگوں کی بہ نسبت تین گنا بڑھ جاتا ہے، جن کا فشار خون معمول پر رہتا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو مسلسل بلند فشار خون کی شکایت رہتی ہو تو اس کے لئے فالج کا خطرہ آٹھ گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ ۱۹۷۲ء کے بعد فالج سے واقع ہونے والی اموات میں جو کمی ہوئی ہے اس کی وجہ زیادہ تر یہی بتائی جاتی ہے کہ فشار خون کے علاج کے طریقے بہتر ہو گئے ہیں۔ تاہم اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ بلند فشار خون پر صحیح معنوں میں قابو پا کر ہر سال لاکھوں آدمیوں کو فالج میں مبتلا ہونے اور مرنے سے بچایا جا سکتا ہے۔

خون میں کولیسٹروں کی زیادتی اور تمباکو نوشی سے بھی فالج کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ اگر تمباکو نوشی کرنے والا کوئی شخص آج اس عادت کو ترک کر دے تو پانچ سال بعد اس کے لئے فالج کا خطرہ اتنا ہی رہ جائے گا جتنا اس شخص کے لئے جس نے کبھی تمباکو نوشی کی ہی نہ ہو۔ حالیہ تحقیقی مطالعوں سے یہ بھی پتا چلا ہے کہ کولیسٹرول کم کرنے والی ادویہ کے استعمال کے باعث فالج کے خطرے میں بھی کمی ہوئی ہے۔

اطاق ریشہ سازی (Artial Fibnillation) ایک ایسی کیفیت ہے جس میں دل کی دھڑکن بے قاعدہ ہو جاتی ہے اور یہ بے قاعدگی فالج کا سبب بن سکتی ہے۔ عمر بڑھتی ہے تو دل کی دھڑکن میں بھی بے قاعدگی بڑھ جاتی ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق ان لوگوں کے لئے جن کے دل کی دھڑکن معمول کے مطابق نہیں رہتی، فالج کا خطرہ ایسے لوگوں سے پانچ گنا ہو جاتا ہے، جن کی دھڑکن معمول کے مطابق ہے۔ خون پتلا کرنے والی دواؤں کے استعمال سے یہ خطرہ ڈرامائی طور پر کم ہو سکتا ہے۔ تحقیقی مطالعوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دھڑکن میں بے قاعدگی یا الطاق ریشہ سازی کے مریض اگر اس طرح کی دوا استعمال کریں تو فالج کے سالانہ خطرے میں ساڑھے چار سے ڈیڑھ فی صد تک کی واقع ہو سکتی ہے۔

دماغ کے کسی حصے کو اگر خون کی فراہمی وقتی طور پر رک جائے تو وقتی وقف الدم کا حملہ یا ''خفیف فالج'' ہو جاتا ہے۔ اس کی علامات تو وہی ہوتی ہیں جو فالج کی ہیں۔ لیکن دورانیہ کم ہوتا ہے۔ عام طور پر چند منٹ سے لے کر چند گھنٹے تک۔ خفیف فالج کے اس حملے کے بعد اس کا بارہ فیصد خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک سال کے اندر اندر فالج کا باقاعدہ حملہ ہوگا۔ اسپرین جیسی دوائیں جو طلبہ بستگی (خون میں تھکے بننے) کو روکتی ہیں خفیف فالج کے مریضوں میں اصل فالج کے امکان کو کم کر دیتی ہیں۔

مختصر یہ کہ جن لوگوں کو بلند فشار خون کی شکایت ہے۔ ان کا کولیسٹرول زیادہ یا نہیں ذیابیطس ہے یا پھر وہ تمباکو نوشی کرتے ہیں تو انہیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اس صورت حال کی اصلاح خود ان کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ فالج سے بچنا چاہتے ہیں یا اس کا امکان کم کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ فشار خون، ذیابیطس اور کولیسٹرول کے سلسلے میں معالج سے مشورہ کرتے رہیں اور اس کی ہدایت پر عمل کریں۔ تمباکو نوشی ترک کرنے کے سلسلے میں قوت ارادی کو آزمایئے، کیونکہ آج کے زمانے میں یہ کام بہت زیادہ مشکل نہیں ہے۔

●●

POSTED ON 2 MAY 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.)- 41 / 2009 - 11 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8. ۲؍مئی ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in , dawaturdu@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

پاکستان کی صورتحال

واقعہ سوات اور ہمارا ردعمل

انجینئر فیضان حسن

گزشتہ دنوں سوات میں ایک لڑکی کو سرعام کوڑے مارنے کی جو ویڈیو منظرعام پر آئی اور اس پر جو ردعمل پاکستانی عوام خصوصاً ایک خاص سیاسی جماعت کی طرف سے سامنے آیا وہ بڑا حیران کن ہے۔ پورے ملک میں اس کے خلاف ریلیاں منعقد کی گئیں اور ''یوم مذمت'' منایا گیا۔ اس ''ظلم'' پر قوم سراپا احتجاج بن کر سڑکوں پر نکل آئی۔ این جی اوز کے سربراہان نے دھواں دار تقریریں بھی کیں، جن میں طالبان کے اس عمل کو حقوق نسواں کے منافی قرار دیا اور اسے ''طالبان کی شریعت'' قرار دے کر اس عزم کا اعادہ کیا کہ وہ اس ظالمانہ نظام کو چلنے نہیں دیں گے۔

میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ آیا یہ ویڈیو اصل ہے یا نقل، اور آیا وہ غیور پٹھان جو اپنی عورت کو پردے میں بھی غیر ضروری طور پر باہر نہیں نکلنے دیتے، انہوں نے اپنی بہن بیٹی کو لوگوں کے سامنے کیسے مارا اور آیا یہ واقعہ نظام عدل کے نفاذ سے پہلے کا ہے یا بعد کا اور یہ کہ وہ لڑکی جس کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا وہ خود کہاں ہے اور جب اس کی فریادرسی کی جارہی ہے تو وہ کیوں اتنا سستا اور بن مانگا انصاف ٹھکرا کر سامنے نہیں آرہی۔ میں ان تمام بحثوں میں الجھنا نہیں چاہتا۔ میں ایک طالب علم ہونے کے ناطے کچھ لوگوں سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں اس سیاسی جماعت کے سربراہ سے، جنہوں نے ایک لڑکی کو کوڑے مارنے کے خلاف پورے ملک میں یوم مذمت منایا کہ ۱۲؍مئی کو کراچی میں جن لوگوں کا قتل عام کیا گیا اور جو لوگ کراچی کی سڑکوں پر دندناتے ہوئے فائرنگ کررہے تھے وہ کون تھے اور کیا ان کا یہ فعل شریعت کے مطابق تھا؟

میں پوچھنا چاہتا ہوں حقوق نسواں کی علمبردار خواتین سے جنہوں نے چلچلاتی دھوپ میں سڑکوں پر نکل کر ایک لڑکی کو کوڑے مارنے پر احتجاج کیا، کہ وہ جامعہ حفصہ میں معصوم بچیوں کو فاسفورس بموں سے جلا کر بھسم کردینے کو کیا نام دیں گی؟ اس وقت وہ اور ان کا حقوق نسواں کا جذبہ کہاں تھا؟

میں سوال کرنا چاہتا ہوں چیف جسٹس آف پاکستان سے کہ ایک لڑکی کوڑے مارے جانے کا ازخود نوٹس ایک قابل تحسین کام تو ہے لیکن ڈرون حملوں میں شہید ہونے والے ان بچوں، بزرگوں، نوجوانوں اور عورتوں کا نوٹس کون لے گا کہ جن کے خاندان کے خاندان غیر مسلموں کے ہاتھوں ختم ہوگئے اور ان کو اپنی صفائی کا موقع بھی نہ ملا؟ کیا ان کا قصور یہ تھا کہ وہ پاکستانی ہیں؟ میں سوال کرنا چاہتا ہوں پاکستان کے اُن عوام سے جو سوات میں ہونے والے 'ظلم' کے خلاف سڑکوں پر نکلے لیکن پورے پاکستان کی سرزمین پر جو ظلم اللہ کے دین کے ساتھ ہو رہا ہے ان کے خلاف ہم احتجاج کیوں نہیں کرتے؟ اپنے ماتھے پر مسلمانوں کا لیبل لگا کر اور دوسری جانب سرعام سود کھا کر کیا ہم عملاً دین اسلام کو کوڑے نہیں مار رہے؟ کیا عریانی وفحاشی کو فروغ دے کر ہم اسلام کی 'حیا' کو کوڑے نہیں مار رہے؟ کیا اپنی دکان اور دفتر میں، اپنی تجارت میں جھوٹ، ذخیرہ اندوزی، بددیانتی اور مکروفریب کو لاکر کے ہم اسلام کی ''معیشت'' کو کوڑے نہیں مار رہے؟ کیا اپنی رسوم ورواج میں بے حیائی، فحاشی اور اللہ کے دشمنوں کی تہذیب کو اپنا کر ہم اسلام کی ''معاشرت'' کو کوڑے نہیں مار رہے؟ کیا میں اور آپ روز قیامت ان ہزاروں لاکھوں کوڑوں کا حساب دے سکیں گے؟ کیا حقوق نسواں اور مساوات مردوزن کے نام پر ہم اللہ کے قانون کی دھجیاں نہیں اڑا رہے ہیں؟ غیر شرعی کوڑے مارنے کے خلاف نکلنے والی خواتین کی ایک بہت بڑی ریلی میں شامل شاید کسی خاتون کو معلوم نہیں تھا کہ شریعت تو پردے کو بھی فرض قرار دیتی ہے۔

ذرا سوچئے! کل اگر روز قیامت مجھ سے اور آپ سے یہ پوچھ لیا گیا کہ ایک لڑکی کو کوڑے لگنے پر تو تم بہت تیخ پا ہوئے تھے اور ساری شریعت تمہیں ازبر ہوگئی تھی لیکن جس وقت لال مسجد میں بچیوں کا قتل عام کیا جارہا تھا اس وقت اپنی ٹی وی سکرینوں پر یہ منظر دیکھ کر تم نے چینل بدلا اور غیر ملکی گانے سننے لگے؟ اس وقت تمہاری دینی حمیت اور غیرت کہاں کھو گئی تھی؟ تم نے اپنے نوجوانوں پر ''جہادی'' کا لیبل لگایا اور ان کو ان کے گھروں سے اٹھوا کر امریکہ کے ہاتھ بیچ دیا؟

جس علاقے کی ایک لڑکی پر ''ظلم'' کے خلاف تم بول رہے ہو، اسی علاقے کی درجنوں بیٹیاں، بہنیں، بزرگ، نوجوان امریکہ کے ہاتھوں روز ڈرون حملوں میں شہید ہو رہے ہیں۔ اور انہیں مارنے کا این او سی خود ہم نے ہی تو امریکہ کو دیا ہے۔ ڈرون حملوں کی منظوری کے بل پر دستخط کس نے کئے ہیں؟ ارے ہم نے تو ڈالروں کے عوض اپنوں کی لاشیں تک بیچ دی ہیں۔ ہمارے میڈیا کا کردار بھی اب ملکی سالمیت کے خلاف ہوگیا ہے جو سستی شہرت کے عوض ہر بات کو مرچ مصالحہ لگا کر پیش کرتا ہے۔ بار بار نشر کی جانے والی اس ویڈیو پر علماء نے بھی اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔ افسوس بجائے اس کے کہ میڈیا پر ڈرون حملوں سے ہونے والی قتل وغارت گری دکھائی جاتی، سیکولر لوگوں کو دعوت کلام دے کر چھوٹے چھوٹے ایشوز کو ہوا بنا کر لوگوں میں اسلام کا غلط تصور پیش کیا جاتا رہا۔

یہ ایک انفرادی رائے ہوسکتی ہے کہ طالبان صحیح ہیں یا غلط۔ جو بھی شکوک وشبہات اس ویڈیو کے حوالے سے اٹھائے جارہے ہیں ان کے حوالے سے آنے والے دنوں میں مزید حقائق سامنے آئیں گے۔ لیکن میں آپ سب کو دعوت دیتا ہوں کہ اگر آپ ''طالبان کی شریعت'' کے خلاف ہیں تو تنقید کرتے وقت آپ کا یہ فرض بنتا ہے کہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں خود سمجھئے کہ صحیح نظام کیا ہے اور اس کو لانے کا طریقہ کیا ہے۔ پھر اپنے آپ کو اس سانچے میں ڈھالئے اور پھر لوگوں کو اس کی دعوت دیجئے۔ اگر آپ صحیح ہیں تو لوگ آپ کی بات کو ضرور سمجھیں گے۔ لیکن خدارا! یہ مت کیجئے کہ خود بھی اللہ کی نافرمانی کریں اور دوسروں کی بھی ٹانگ کھینچیں۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اپنا تن من دھن لگا دیجئے ورنہ بقول اقبال:

فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف!

(ہفت روزہ ندائے خلافت، لاہور)

بقیہ: انسانی ہاتھوں کی غیر معمولی تخلیق

اس نے سعید سے اپنے لئے اور اپنی کمپنی کے لئے مزید اختیارات حاصل کئے۔ اس منصوبے کے لئے ۲۰۰ ملین کا سرمایہ درکار تھا۔ اتنا کثیر سرمایہ اکٹھا کرنا ایک مشکل امر تھا فرانس میں حصص بخوبی فروخت ہوچکے تھے جب کہ پچاسی ہزار حصص برطانیہ، آسٹریا، روس اور امریکہ کے لئے مخصوص تھے جو کہ ان ممالک میں فروخت نہ ہوسکے تھے۔

۲۵؍اپریل ۱۸۵۹ء کو پورٹ سعید کے قریب اس منصوبے کا آغاز ہوا۔ برطانوی حکومت مخالفت پر کمربستہ تھی۔ فرانسیسی خاموش تھے۔ سلطان بھی تعمیراتی کام کو غیر قانونی قرار دے رہا تھا۔ سعید نے بھی لیسپز کے پروجیکٹ اور اس کی کمپنی کی قانونی حیثیت ختم کردی اور چند ہفتوں بعد وہ یہ مطالبہ کررہا تھا کہ تمام تعمیراتی کام بند کردیا جائے۔

درحقیقت اس نہر کا پورا منصوبہ خطرے کا شکار تھا اور اُس وقت تک پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکتا تھا جب تک حکومت فرانس نے اس منصوبے کی پشت پناہی نہ کرتی۔ اس موقع پر لیسپز کی ملکہ ایجوین کے ساتھ رشتے داری کارآمد ثابت ہوسکتی تھی۔ اس نے ملکہ سے درخواست کی کہ وہ نپولین کو قائل کرے۔ کئی اور وجوہ بھی موجود تھیں جن کی بناء پر بالآخر فرانس کو اپنی پالیسی تبدیلی کرنا پڑی۔ لہٰذا سعید پر دباؤ بڑھ چکا تھا اور جلد ہی اس نے ہزاروں کی تعداد میں اپنے فلاحین (مصری کاشت کار یا دیہاتی) نہر کے کام پر جبری مزدوروں کے طور پر لگا دیئے۔ لیسپز اور اس کے ماہرین بھی روبہ عمل ہوگئے اور لیسپز اپنے کام کی راہ میں حائل روکاوٹیں دور کرنے کے عمل میں بھی برابر شریک رہا۔ 1862ء تک نہر کی کھدائی کا تقریباً نصف کام مکمل ہوچکا تھا کہ سعید وفات پا گیا۔ اس کا بھتیجا اسماعیل بطور وائسرائے اس کا جانشین بنا۔ اس دوران سیاسی نشیب وفراز بھی آتے رہے ہیں لیکن لیسپز اپنے کام پر ڈٹا رہا۔ ۱۸۶۶ء میں لیسپز نے کہا تھا ''ہم اس قدر قوت اور توانائی کے ساتھ اپنے کام کی انجام دہی میں مصروف رہے کہ تعمیراتی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔''

نہر کے ساتھ ساتھ ایسی مشینیں روبہ عمل تھیں جو خصوصی طور پر اس کام کے لئے ڈیزائن کی گئی تھیں۔ وہ ایک ماہ میں بیس لاکھ مکعب فٹ ریت کی کھدائی سرانجام دیتی تھیں۔ یہ تمام کام بہترین انتظامی صلاحیتوں کا متقاضی تھا، بالخصوص اس وقت جب غیر ملکی کاریگر بھی اس کام پر لگائے گئے تھے اور اس منصوبے کی لاگت بھی بے تحاشا تھی۔ اس کی لاگت لگائے گئے تخمینے سے دگنی سے بھی زائد ہوچکی تھی۔

کام کی تکمیل تک مزید کسی غیر معمولی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور کام بخوبی پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ نہر کے افتتاح کے لئے دعوت نامے تقسیم کئے جاچکے تھے۔ ماہ ستمبر شروع ہوچکا تھا اور اسماعیل پانچ سو باورچی اور ایک ہزار خادم یورپ سے اکٹھے کرنے میں مصروف ہوچکا تھا تاکہ مہمانوں کی خاطر مدارات کرسکے۔ تب افتتاح سے پندرہ روز قبل ایک اور مسئلہ آن پڑا۔ شلوفہ کے علاقہ میں ایک مخفی چٹان کا علم ہوا۔ یہ چٹان جہازوں کی گزرگاہ کو غیر محفوظ بنا سکتی تھی۔ لیسپز اور اسماعیل کا براحال تھا۔ دونوں بھاگم بھاگ موقع پر جاپہنچے۔ لیسپز کا مطالبہ تھا کہ کثیر مقدار میں گن پاؤڈر قاہرہ سے منگوایا جائے تاکہ چٹان کو اڑایا جاسکے اور ناکامی کی صورت میں اپنے آپ کو اڑایا جاسکے۔ لیکن بالآخر چٹان ٹکڑے ٹکڑے کرکے اُڑادی گئی اور ۱۹ نومبر کو مزوی نندڈی لیسپز کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیر رہے تھے۔

نہر سویز فرانس کی ایک غیر معمولی کامیابی تھی اور اس کامیابی میں واحد فرانسیسی ہاتھ تھا جس نے کامیابی کی راہ میں حائل ہر رکاوٹ دُور کی تھی۔ اس نہر کی تعمیر سے بنی نوع انسان کو بہت سی سہولیات میسر آئیں اور سفر کے راستے مختصر ہوگئے۔

●●

بقیہ: مسلمان ووٹ بینک کی پالیسی جاری ہے

کی اہمیت اور وقعت کے لئے ایک سوالیہ نشان ضرور بن گیا ہے۔

سماج وادی پارٹی کا مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ وہ اپنا کردار اور اپنی شناخت تبدیل کرنا چاہتی ہے اور نئے سیاسی تجربات کرنے کی کوشش میں ہے۔ ابھی تک معاملہ یہ تھا کہ سماج وادی پارٹی میں بااثر مسلم لیڈروں کی ذمہ دارانہ شمولیت اور مسلم کارکنان کی بہت بڑی تعداد کی وجہ سے مسلم ووٹوں پر اس کی گرفت مضبوط تھی جس کے دباؤ میں یہ پارٹی دوسری پارٹیوں کی بہ نسبت مسلمانوں کے تعلق سے بظاہر زیادہ دوستانہ رویہ اختیار کئے ہوئے تھی۔ لیکن پچھلے کافی عرصے سے جنرل سکریٹری چودھری امر سنگھ اور ان کے واسطے سے کچھ نادیدہ لوگوں کا اثر ملائم سنگھ کے طور طریقوں اور پالیسیوں پر پڑ رہا ہے اور یہ لگ رہا ہے کہ ملائم سنگھ مسلمانوں کے ووٹوں پر ٹکے ہوئے تو ہیں لیکن وہ ان پر تکیہ نہیں کرنا چاہتے۔ کیوں کہ مسلمانوں کے مطالبات انہیں بڑے بھاری محسوس ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے ان کے لئے کچھ بامعنی اقدام کرنے کا دباؤ انہیں بڑا ناگوار محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس بات کو بھی جتانے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ وہ صرف مسلمانوں کے ووٹوں پر منحصر نہیں ہیں اس لئے مسلمان بہت زیادہ توقعات نہ رکھیں۔

پچھلی بار وزیر اعلیٰ بننے کے کچھ ہی عرصے بعد وہ لکھنؤ میں مسلمانوں کے ایک جلسے میں آئے ہوئے تھے، ان کے سامنے مسلمانوں کے ایک معروف سیاسی دانشور نے مسلمانوں کے مسائل کا دکھڑا سناتے ہوئے ان سے صاف صاف کچھ مطالبات کئے تھے جس پر ملائم سنگھ نے بڑی ناگواری کا اظہار کیا تھا اور گول مول الفاظ میں یہ کہا تھا کہ وہ صرف مسلمانوں کے ووٹوں پر نہیں ٹکے ہیں۔

چنانچہ پارٹی کے چانکیہ یہ چاہتے ہیں کہ پارٹی میں مسلم لیڈرشپ کا دباؤ کم ہو۔ اس لئے پارٹی بااثر اور قدآور مسلم لیڈروں کو بے وزن کرکے، ان کے بغیر مسلم ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ تاکہ اقتدار حاصل کرنے کے لئے کسی مرحلے پر اگر اسے بی جے پی کے ساتھ بھی اتحاد کرنا پڑے تو اس میں مسلم لیڈرشپ رکاوٹ نہ بنے، اور پارٹی اپنی پالیسی سازی میں مسلم مفاد کی پابند نہ رہے۔ چنانچہ مسلم ووٹروں کو اپنی طرف مائل رکھنے کے لئے وہ مسلمانوں میں سے غیر اہم اور دوسرے تیسرے درجے کے لوگوں کو آگے بڑھانا چاہتی ہے جو صرف تابع داری کریں، مسلمانوں کی طرف سے نمائندگی کی کوشش نہ کریں۔ یہ سبق حاصل کرنے میں سماج وادی پارٹی نے بی ایس پی سے بھی استفادہ کیا ہے۔ جو زیادہ تعداد میں مسلم امیدواروں کو ٹکٹ تو دیتی ہے، لیکن کس وزن کے اور کتنے لوگوں کو قیادت اور حکومت کی سطح تک لانا ہے، اس کا فیصلہ پہلے کرتی ہے۔ سیاست میں ناتجربہ کار، مسائل سے بے خبر اور مسلم مفادات سے بے نیاز لوگوں کی بڑی تعداد بی ایس پی میں نظر آتی ہے جنہیں اپنے ذاتی مفاد سے بلندتر کوئی مطالبہ کرنا نہیں آتا ہے۔ اور اگر کوئی اس طرح کی روش اختیار کرتا ہے تو اسے باہر کا راستہ دکھانے میں دیر نہیں کی جاتی۔ اس طرح کے متعدد مثالیں ہیں۔

چنانچہ سماج وادی پارٹی کے داخلی حالات سے یہی لگتا ہے کہ وہ بھی اس روش پر چلنا چاہتی ہے۔ کلیان سنگھ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش پارٹی بہت پہلے سے کررہی تھی، لیکن مسلم لیڈروں کی مخالفت کی وجہ سے یہ کام آسان نہیں تھا۔ بالآخر پارٹی نے اس معاملے کو ہی مسلم ووٹروں اور مسلم لیڈران کے لئے ایک لٹمس ٹیسٹ بنالیا ہے۔ اس نے یہ داؤ چل دیا ہے اور اب اسے کامیاب بنانے کے لئے جی توڑ کوشش کررہی ہے۔ چنانچہ یہ پارٹی کے لئے بھی ایک امتحان ہے کہ اس کی یہ چال کامیاب ہوگی یا نہیں اور مسلم رائے دہندگان کے شعور، بصیرت، ترجیحات اور ان کی وزن داری کی بھی اس میں آزمائش ہے کہ کیا وہ اپنی کوئی اثار رکھتے ہیں یا نہیں۔

●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرا ئین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن
سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی
عمیر کوٹی ندوی، اشرف علی بستوی

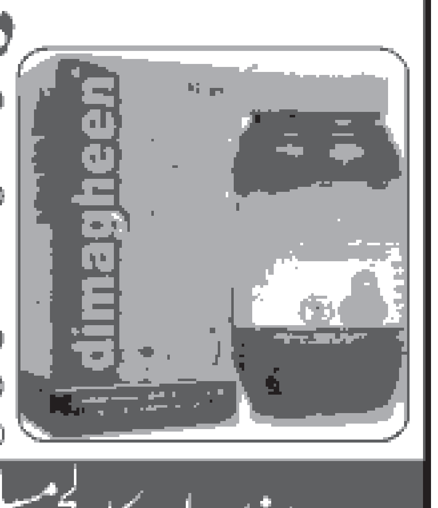

دماغین برین ٹانک

(۱) دماغین ہر عمر کے ذہنی وجسمانی طور سے مصروف لوگوں کے لئے مددگار ہے

dimagheen

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

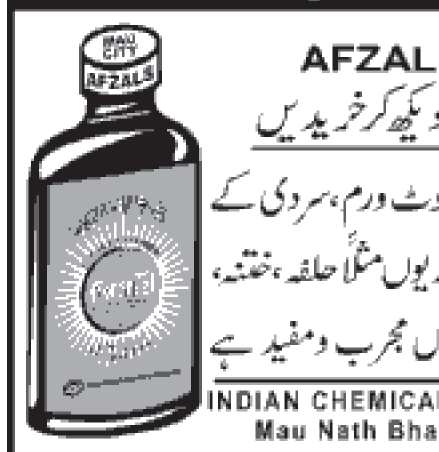

لیبل و کیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خناق، کھانسی، نزلہ، وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

قادری دواخانہ کی کامیاب ترین یونانی دوائیں

DIAL
033-2469-3173
033-2489-3539

گھٹیا کے درد میں؟

زعفرانی تیل

گیسٹک کے درد میں

قبض تروجن

بدہضمی، بھوک کی کمی، دردجگر، قبض، سینے کی جلن اور پیٹ کے جملہ امراض میں بہت ہی مفید ہے

Qadri Dawakhana
B-18, NAWAB WAJID ALI SHAH ROAD, KOLKATA - 24.
DISTRIBUTORS: DARYA BADI DAWAKHANA
RELAX ENTERPRISES

تصوف اور سائنس کے موضوع پر
۲ اہم کتابیں

مجددین امت اور تصوف ● پروفیسر محمد عبدالحق انصاری

امت کے چار عظیم مجددین، امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ، شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے ان آراء وافکار کا تحقیقی مطالعہ، جن کا اظہار مجددین نے کتاب وسنت کی روشنی میں تصوف کے مختلف اعمال وافکار کے سلسلے میں کیا ہے۔ فاضل مصنف نے ان مجددین کے اختلاف واتفاق کی بھی نشان دہی فرمائی ہے اور جس رائے کو بہتر سمجھا ہے اس کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات: ۷۲ قیمت: Rs.35/=

حشرات قرآنی ● ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی

معروف سائنس داں ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی نے قرآن مجید میں مذکور کیڑوں مکوڑوں کو اپنا موضوع بناتے ہوئے ان کے سلسلے میں اہم معلومات دی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ بظاہر حقیر اور بے بضاعت معلوم ہونے والے ان کیڑوں مکوڑوں میں بھی خالق کائنات کی کتنی زبردست حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات: ۹۶ قیمت: Rs.40/=

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔۲۵

P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652 Fax : 26947858, 26950975
E-mail: mmipublishers@gmail.com.
Website: www. mmipublishers.net

ہماری نئی کتابیں

Title	Author	Price
☆ خاتم النبیینؐ (اردو)	ابراہیم عمادی	70.00
☆ فتح اور غلبے کا قرآنی تصور (اردو)	الاستاذ علی محمد الصلابی	100.00
☆ غلط فہمیوں کا ازالہ (اردو/ہندی/انگریزی)	ڈاکٹر ذاکر نائک	25.00
☆ Common Questions About Islam	Dr. Zakir Naik	25.00
☆ Concept of God in Major Religions	Dr. Zakir Naik	20.00
☆ Universal Brotherhood	Dr. Zakir Naik	35.00
☆ The Qur'an & Modern science: campatible......	Dr. Zakir Naik	20.00
☆ Similarities between Hinduism & Islam	Dr. Zakir Naik	35.00
☆ The Qur'an & Bible in the light of Science	Dr. Zakir Naik	45.00
☆ Right of women in Islam	Dr. Zakir Naik	35.00
☆ Is the Qur'an WORD OF GOD?	Dr. Zakir Naik	35.00
☆ Non-Veg Permitted or Prohibited	Dr. Zakir Naik	25.00
☆ Focus on Islam	Dr. Zakir Naik	30.00
☆ Hazrat Muhammad & Bhartiya Dharm Grantha	Dr. M. A. Srivastava	25.00
☆ इस्लाम और इंसान (सीरीज़– 1-6)	डॉ. सैयद शाहिद अली	75.00
☆ इस्लाम– कुछ अहम पहलू	अज़हर शमीम	24.00
☆ इस्लाम एक सामान्य परिचय	शैख़ अली तन्तावी	65.00
☆ प्यारे नबी (सल्ल.) की पाक ज़िन्दगी	एजाज़ुल-हक़ क़ुद्दूसी	35.00
☆ जीव-हत्या और पशु-बलि (इस्लाम की नज़र में)	ज़ैनुल-आबिदीन मंसूरी	6.00
☆ पवित्र क़ुरआन में मानवता की शिक्षा	विजय गोपाल मंगल	زیر طبع
☆ दलित समस्या, जड़ में कौन?	इंतिज़ार नईम	100.00

دینی، اصلاحی، دعوتی، اسلامی لٹریچر کے لیے ہم سے رابطہ کریں اور ہماری فہرست کتب مفت طلب فرمائیں۔

مدھر سندیش سنگم

E-20، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

فون نمبر: 011-26953327, 09212567559، ای میل: madhursandeshsangam@yahoo.co.in